امارت شرعیہ بہار، اڈیشہ وجھارکھنڈ کا ترجمان

ہفتہ وار نقیب

پھلواری شریف پٹنہ

مدیر

مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی

معاون

مولانا رضوان احمد ندوی

جلد نمبر 62/72 — مورخہ ۹ محرم الحرام ۱۴۴۴ھ مطابق ۸ راگست ۲۰۲۲ء روز سوموار — شمارہ نمبر 29

اس شمارہ میں

- اللہ کی باتیں، رسول اللہ کی باتیں
- دینی مسائل، حکایات اہل دل
- خاندانی نظام کا بکھراؤ اوراس کا حل
- مسلمانوں کی معاشی پسماندگی......
- مسلم معاشرے میں جہیز کی وبا
- جمہوریت کی حفاظت......
- عدالت میں اردو لفظ انقلاب......
- طب وصحت، ہفتہ رفتہ

محرم اور عاشوراء کی حقیقت

مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ

یوں تو سال کے بارہ مہینے اور ہر مہینے کے دن اللہ تعالی کے پیدا کئے ہوئے ہیں، لیکن اللہ جل شانہ نے اپنے فضل وکرم سے پورے سال کے بعض ایام کو خصوصی فضیلت عطا فرمائی ہے اوران ایام میں کچھ مخصوص احکام مقرر فرمائے ہیں۔ یہ محرم کا مہینہ بھی ایک ایسا مہینہ ہے جس کو قرآن کریم نے حرمت والا مہینہ قرار دیا ہے۔

خاص طور پر محرم کی دسویں تاریخ جس کو عام طور پر ''عاشوراء'' کہا جاتا ہے، جس کے معنی ہیں ''دسواں دن'' یہ دن اللہ تعالی کی رحمت وبرکت کا خصوصی طور پر حامل ہے۔ جب تک رمضان کے روزے فرض نہیں ہوئے تھے، اس وقت تک ''عاشورا'' کا روزہ رکھنا مسلمانوں پر فرض قرار دیا گیا تھا، بعد میں جب رمضان کے روزے فرض ہو گئے تو اس وقت عاشوراء کے روزے کی فرضیت منسوخ ہوگئی، لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشوراء کے دن روزہ رکھنے کو سنت اور مستحب قرار دیا۔ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ مجھے اللہ جل شانہ کی رحمت سے یہ امید ہے کہ جو شخص عاشوراء کے دن روزہ رکھے گا تو اس کے پچھلے ایک سال کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ عاشوراء کے دن کی فضیلت کی وجہ یہ ہے کہ اس دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس نواسے حضرت حسین رضی اللہ تعالی عنہ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا، اس شہادت کے پیش آنے کی وجہ سے عاشوراء کا دن مقدس اور حرمت والا بن گیا ہے۔ یہ بات صحیح نہیں، خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں عاشوراء کا دن مقدس دن سمجھا جاتا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں احکام بیان فرمائے تھے اور قرآن کریم نے بھی اس کی حرمت کا اعلان فرمایا تھا، جبکہ حضرت حسین رضی اللہ تعالی عنہ کی شہادت کا واقعہ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے تقریبا ساٹھ سال کے بعد پیش آیا، لہذا یہ بات درست نہیں کہ عاشوراء کی حرمت اس واقعہ کی وجہ سے ہے، بلکہ حضرت حسین رضی اللہ تعالی عنہ کی شہادت کا اس روز واقع ہونا یہ حضرت حسین رضی اللہ تعالی عنہ کی مزید فضیلت کی دلیل ہے کہ اللہ تعالی نے ان کو شہادت کا مرتبہ اس دن عطا فرمایا جو پہلے ہی سے مقدس اور محترم چلا آرہا تھا۔ بہر حال! یہ عاشوراء کا دن ایک مقدس دن ہے۔

اس دن کے مقدس ہونے کی وجہ کیا ہے؟ یہ اللہ تعالی ہی بہتر جانتے ہیں، اس دن کو اللہ تعالی نے دوسرے دنوں پر کیا فضیلت دی ہے؟ اوراس دن کا کیا مرتبہ رکھا ہے؟ اللہ تعالی ہی بہتر جانتے ہیں، ہمیں تحقیق میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ بعض لوگوں میں یہ بات مشہور ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام دنیا میں اترے تو وہ عاشوراء کا دن تھا، جب نوح علیہ السلام کی کشتی طوفان کے بعد خشکی میں اتری تو وہ عاشوراء کا دن تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب آگ میں ڈالا گیا اوراس آگ کو اللہ تعالی نے ان کے لئے گلزار بنایا تو وہ عاشوراء کا دن تھا اور قیامت بھی عاشوراء کے دن قائم ہوگی۔ یہ باتیں لوگوں میں مشہور ہیں لیکن ان کی کوئی اصل اور بنیاد نہیں، کوئی صحیح روایت ایسی نہیں ہے جو یہ بیان کرتی ہو کہ یہ واقعات عاشوراء کے دن پیش آئے تھے۔

صرف ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت موسی علیہ السلام کا مقابلہ فرعون سے ہوا اور پھر حضرت موسی علیہ السلام دریا کے کنارے پہنچ گئے اور پیچھے سے فرعون کا لشکر آ گیا تو اللہ تعالی نے اس وقت حضرت موسی علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنی لاٹھی دریا کے پانی پر ماریں، اس کے نتیجے میں دریا میں بارہ راستے بن گئے اوران راستوں کے ذریعہ حضرت موسی علیہ السلام کا لشکر دریا کے پار چلا گیا اور جب فرعون دریا کے پاس پہنچا اوراس نے دریا میں خشک راستے دیکھے تو وہ بھی دریا کے اندر چلا گیا، لیکن جب فرعون کا پورا لشکر دریا کے بیچ میں پہنچا تو وہ پانی مل گیا اور فرعون اوراس کا پورا لشکر غرق ہوگیا۔ یہ واقعہ عاشوراء کے دن پیش آیا، اس کے بارے میں ایک روایت موجود ہے جو نسبتاً بہتر روایت ہے، لیکن اس کے علاوہ جو دوسرے واقعات ہیں، ان کے عاشوراء کے دن میں ہونے پر کوئی اصل اور بنیاد نہیں۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ اس تحقیق میں پڑنے کی ضرورت نہیں کہ کس وجہ سے اللہ تعالی نے اس دن کو فضیلت بخشی؟ بلکہ یہ سب اللہ جل شانہ کے بنائے ہوئے ایام ہیں، وہ جس دن کو چاہتے ہیں اپنی رحمتوں اور برکتوں کے نزول کے لئے منتخب فرما لیتے ہیں، وہی اس کی حکمت اور مصلحت کو جاننے والے ہیں، ہمارے اور آپ کے ادراک سے ماوراء بات ہے، اس لئے اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔

البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ جب اللہ تعالی نے اس دن کو اپنی رحمت اور برکت کے نزول کے لئے منتخب کرلیا تو اس کا تقدس یہ ہے کہ اس دن کو اس کام میں استعمال کیا جائے جو کام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے ثابت ہو۔ سنت کے طور پر اس دن کے لئے صرف ایک حکم دیا گیا ہے کہ اس دن روزہ رکھا جائے۔ چنانچہ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس دن میں روزہ رکھنا گزشتہ ایک سال کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔ بس یہ ایک حکم سنت ہے، اس کی کوشش کرنی چاہئے کہ اللہ تعالی اس کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

اس میں ایک مسئلہ اور بھی ہے۔ وہ یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں جب بھی عاشوراء کا دن آتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم روزہ رکھتے، لیکن وفات سے پہلے جو عاشوراء کا دن آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشوراء کا روزہ رکھا اور ساتھ میں یہ ارشاد فرمایا کہ دس محرم کو ہم مسلمان بھی روزہ رکھتے ہیں اور یہودی بھی روزہ رکھتے ہیں اور یہودیوں کے روزہ رکھنے کی وجہ وہی تھی کہ اس دن چونکہ بنی اسرائیل کو اللہ تعالی نے حضرت موسی علیہ السلام کے ذریعہ فرعون سے نجات دی تھی، اس کے شکرانے کے طور پر یہودی اس دن روزہ رکھتے تھے۔

بہر حال! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہم بھی اس دن روزہ رکھتے ہیں اور یہودی بھی اس دن روزہ رکھتے ہیں جس کی وجہ سے ان کے ساتھ ہلکی سی مشابہت پیدا ہو جاتی ہے، اس لئے اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو صرف عاشوراء کا روزہ نہیں رکھوں گا بلکہ اس کے ساتھ ایک روزہ اور ملاؤں گا، ۹ رمحرم یا ۱۱ رمحرم کا روزہ بھی رکھوں گا تا کہ یہودیوں کے ساتھ مشابہت ختم ہو جائے۔

لیکن اگلے سال عاشوراء کا دن آنے سے پہلے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر عمل کرنے کی نوبت نہیں ملی۔ لیکن چونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمادی تھی، اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین نے عاشوراء کے روزے میں اس بات کا اہتمام کیا اور ۹ رمحرم یا ۱۱ رمحرم کا ایک روزہ اور ملا کر رکھا اوراس کو مستحب قرار دیا اور تنہا عاشوراء کے روزہ رکھنے کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی روشنی میں مکروہ تنزیہی اور خلاف اولی قرار دیا، یعنی اگر کوئی شخص صرف عاشوراء کا روزہ رکھ لے تو وہ گناہ گار نہیں ہوگا بلکہ اس کو عاشوراء کے دن روزہ کا ثواب ملے گا لیکن چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش دوروزے رکھنے کی تھی، اس لئے اس خواہش کی تکمیل میں بہتر یہ ہے کہ ایک روزہ اور ملا کر دوروزے رکھے جائیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں ہمیں ایک سبق اور ملتا ہے، وہ یہ کہ غیر مسلموں کے ساتھ ادنی مشابہت بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند نہیں فرمائی، حالانکہ وہ مشابہت کسی برے اور ناجائز کام میں نہیں تھی، بلکہ ایک عبادت میں مشابہت تھی کہ اس دن جو عبادت وہ کررہے ہیں، ہم بھی اس دن وہی عبادت کر رہے ہیں، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بھی پسند نہیں فرمایا۔ کیوں؟ اس لئے کہ اللہ تعالی نے مسلمانوں کو جو دین عطا فرمایا ہے، وہ سارے ادیان سے ممتاز ہے اوران پر فوقیت رکھتا ہے، لہذا ایک مسلمان کا ظاہر وباطن بھی غیر مسلم سے ممتاز ہونا چاہئے، اس کا طرز عمل، اس کی چال ڈھال، اس کی وضع قطع، اس کا سراپا، اس کے اعمال، اس کے اخلاق، اس کی عبادتیں وغیرہ ہر چیز غیر مسلموں سے ممتاز ہونی چاہئے۔ چنانچہ احادیث میں یہ احکام جابجا ملیں گے جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غیر مسلموں سے الگ طریقہ اختیار کرو، افسوس ہے کہ آج مسلمانوں کو اس حکم کا خیال اور پاس نہیں رہا، ہم نے زندگی کے ہر کام میں ان کی نقالی کو فیشن بنالیا، جس کی وجہ سے ہم ذلیل وخوار ہورہے ہیں، اللہ ہر مسلمان کو اس سے محفوظ رکھے۔

بلا تبصرہ

''پارلیامنت میں سرکار کی طرف سے بتایا گیا ہے کہ بزرگ شہریوں کو ریلوے ٹکٹ میں ملنے والی چھوٹ کو ختم کیا جارہا ہے، یہ ایک غلط فیصلہ ہے، جس کا بُرا اثر کروڑوں لوگوں پر پڑے گا، یہ چھوٹ بزرگ شہریوں کو حکومت کی جانب سے ایک اعزاز تھا، یہ رعایت عمر دراز لوگوں کو ان کی آمدنی کم ہونے کے سبب دیا جاتا تھا، جسے بند کرنا سماجی تحفظ کے خلاف ہے۔ سرکار اپنے وزراء، ارکان پارلیمان واسمبلی پر جو خرچ کرتی ہے اس میں تھوڑی کٹوتی کرکے بھی بزرگ شہریوں کو دی جانے والی رعایت کو جاری رکھ سکتی ہے۔'' (ہندوستان ۲۳ رجولائی ۲۰۲۲ء)

اللہ کی باتیں ---- رسول اللہ کی باتیں

مولانا رضوان احمد ندوی

نفاق سے بچئے

’’اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ! منافق جب آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں اور اللہ تو جانتے ہی ہیں کہ آپ اس کے رسول ہیں اور لیکن اللہ تعالیٰ گواہی دیتے ہیں کہ یہ منافق بالکل جھوٹے ہیں، انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے، چنانچہ وہ ایمان کیا لاتے ؟ یہ تو اللہ کے راستے سے روکتے ہیں، یقیناً ان کے اعمال بہت ہی برے ہیں‘‘ (سورہ منافقون، آیت:۱-۲)

مطلب: تاریخ کے ہر دور اور ہر عہد میں منافقوں کا ایک سازشی گروہ موجود رہا ہے جو دو شخصوں کا دوست بن کر ایک کی بات دوسرے تک نمک مرچ لگا کر پہونچا تا رہا ہے اور ان دونوں کے تعلقات کو خراب کرتا رہا ہے، اس قسم کے اخلاقی منافقوں کو اردو میں دورخا کہتے ہیں، حدیث شریف میں اس قسم کے لوگوں کے لئے شدید وعید آئی ہے، مثلاً فرمایا گیا کہ قیامت کے دن خدا کے نزدیک تم سب سے برا دورخ کو پاؤ گے جو کچھ لوگوں کے پاس جاتا ہے تو اس کا رخ اور ہوتا ہے اور دوسروں کے پاس جاتا ہے تو اور ہوتا ہے، منافق میں جو خصوصیات پائی جاتی ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ اپنی وفاداری کی جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں، حالانکہ ان کے دل اور زبان میں بڑا فاصلہ ہوتا ہے، مگر وہ اپنی چکنی چپڑی باتوں سے لوگوں کو متاثر کرتے ہیں، اس طرح وہ جھوٹ بولنے میں بڑے ماہر ہوتے ہیں، عہد رسالت میں منافقین کی اچھی خاصی تعداد تھی، جب وہ مسلمانوں سے ملتے تھے تو اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے تھے، لیکن اندر سے مسلمان نہیں ہوتے اور وہ مسلمانوں کو تکلیف پہونچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے، اللہ رب العزت نے ایسے لوگوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ’’لوگوں میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور آخرت کے دن پر، حالانکہ وہ بالکل ایمان والے نہیں ہیں، بلکہ چال بازی کرتے ہیں، اللہ سے اور ان لوگوں سے جو ایمان لا چکے ہیں اور واقعہ میں کسی کے ساتھ بھی چال بازی نہیں کرتے بجز اپنی ذات کے اور وہ اس کا شعور نہیں رکھتے (سورہ بقرہ)

چنانچہ قرآن مجید کی ان آیات میں اس گروہ کے بعض اوصاف رذیلہ کا بھی ذکر کیا گیا کہ وہ جھوٹ بولنے اور جھوٹی قسم کھانے میں ماہر ہوتے ہیں اور جھوٹی قسمیں اس لئے کھاتے ہیں کہ اس کو اپنے بچاؤ کے لئے ڈھال بنالیں، یہ ان کے ایمان و عمل کی کمزوری کے سبب ہے، لہذا مسلمانوں کو ایسے منافقوں سے ہوشیار رہنا چاہئے، خود ہماری جماعت میں بھی چند ایسے لوگ موجود ہیں، جن کا ظاہر بہت اچھا معلوم پڑتا ہے، مگر ان کا باطن بہت ہی پراگندہ ہے، اگر آج مسلمانوں کی اکثریت اپنے ایمان و عمل کا احتساب کرے تو اسے معلوم ہو جائے کہ نفاق کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے اور کسی طرف دیکھنے کی ضرورت نہیں، وہ اپنے ہی وجود میں اسے دیکھ سکتی ہے، اللہ مسلمانوں کو نفاق سے محفوظ رکھے اور ایمان و یقین کی زندگی گذارنے کی توفیق بخشے ’’**اللّٰھم طھر قلوبنا من النفاق واعمالنا من الریاء وألسنتنا من الکذب واعیننا من الخیانۃ**‘‘۔

کامیاب زندگی کا راز

’’حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم اس کو دیکھو جو تمہارے نیچے ہے اور اس کو نہ دیکھو جو تمہارے اوپر ہے، کیونکہ اس رویہ سے اس بات کی زیادہ توقع ہے کہ تم اپنے اوپر خدا کی نعمتوں کو حقیر نہ سمجھو‘‘ (صحیح مسلم شریف)

وضاحت: اللہ تعالیٰ کائنات کے پورے نظام کو فطرت انسانی کے مطابق چلا رہے ہیں، یہ موسم کی تبدیلی، آسمان کا ابر آلود ہونا، موسلا دھار بارش کا ہونا اور گرمی میں ٹھنڈی ٹھنڈی ہواؤں کی لطافت، یہ سب کچھ ایک فطری نظام کے تحت گردش کرتے رہتے ہیں، اس میں کسی انسانی کاوش کو کوئی دخل نہیں ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے کسی کو مال و دولت اور جاہ و منصب کی نعمت عطا کی اور کسی کو اس سے محروم رکھا یا کسی کو کچھ زیادہ دیا اور کسی کو کم یا کسی کو ایک چیز دی اور کسی کو دوسری چیزیں، یہ بھی اللہ نے اپنی حکمت و مصلحت پر رکھا، اب حکم دیا گیا کہ جس کے پاس کم ہے وہ اپنے سے اوپر والے کا تقابل نہ کرے، کیونکہ اگر وہ اپنے سے اوپر والے کو للچائی نظروں سے دیکھے گا تو اس کے اندر بے چینی اور اضطراب پیدا ہوگا پھر تو اس کے نتیجہ میں ناشکری کا احساس ابھرے گا اور آخر میں سکون کی نعمت سے محروم ہو جائے گا، ہاں اگر وہ اپنے سے نیچے والے کو دیکھے گا تو اس کے اندر اپنے اندر کی نعمت پر شکر بجالائے گا کہ اللہ نے ہم کو صحت و تندرستی کی نعمت عطا کی، لیکن فلاں شخص صاحب ثروت ہونے کے باوجود صحت و تندرستی کی نعمت سے محروم ہے یا اس کے پاس سامان عیش و طرب کے باوجود اس کے استعمال سے عاجز ہے، تو پھر اس کے اندر شکر و امتنان کا جذبہ پیدا ہوگا اور اسے قلبی سکون میسر ہوگی، بعض سیرت نگاروں نے حضرت شیخ سعدیؒ کا ایک واقعہ لکھا کہ وہ ننگے پاؤں کہیں جا رہے تھے کہ انہوں نے کچھ لوگوں کو جوتا پہنے ہوئے دیکھا اب ان کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اللہ نے ان کو جوتا دیا اور مجھے بغیر جوتا کے رکھا وہ اسی تصور و خیال میں گم تھے کہ سامنے ان کی نظر ایک ایسے شخص پر پڑی جو لنگڑا تھا، اب ان کے اندر کا احساس جاگ گیا اور اللہ کا شکر ادا کیا کہ اللہ نے ہمیں اس سے بہتر بنایا اور دو تندرست پاؤں عطا کئے، اگر انسان زندگی کے ہر میدان میں اس پہلو پر غور کرے تو وہ اسی نتیجہ پر پہونچے گا کہ اگر وہ کسی ایک نعمت سے محروم ہے تو اللہ نے اس کو کوئی دوسری نعمت ضرور عطا کی ہے، اب ہر گروہ ان نعمتوں پر شکر گذار بن جائے تو وہ ہر طرح کی الجھنوں سے محفوظ رہے گا اور سکون و عافیت کی زندگی بسر کرے گا، البتہ اگر کوئی اللہ کی دی ہوئی توانائی اور قوت کو بروئے کار لائے محنت و مجاہدہ سے اللہ کے فضل کو تلاش کرے اور اللہ سے عافیت کی دعا کا طلبگار بنا رہے تو اللہ تعالیٰ اس کی کاوشوں کو اس کے فائدے کی حد تک ضرور عطا فرماتے ہیں، یہی ہے کامیاب زندگی کا راز اور اسی سے ہم ترقی کے منازل طے کر سکتے ہیں۔

دینی مسائل

مفتی احتکام الحق قاسمی

آن لائن کاموں پر کمیشن لینا

س: ایک آدمی پبلک سینٹر کھول رکھا ہے، جس میں وہ آن لائن آدھار کارڈ بناتا ہے، زمین کی رسید کاٹتا ہے، آدھار کارڈ سے پیسہ نکال کر دیتا ہے، ٹکٹ بناتا ہے اور ان کاموں پر کسٹمر سے کمیشن یا چارج لیتا ہے، شرعاً اس کا لینا درست ہے یا نہیں؟

ج: صورت مسئولہ میں شخص مذکور کی حیثیت اجیر مشترک کی ہے اور اجیر مشترک کو اپنے عمل کی اجرت لینا جائز ہے، لہذا وہ آدھار کارڈ بنانے یا آدھار کارڈ سے روپیہ نکالنے یا ٹکٹ بنانے یا ان جیسے آن لائن دیگر کاموں پر طے شدہ کمیشن یا چارج بطور حق المحنت لیتا ہے تو اس کا لینا شرعاً جائز و درست ہے:

’’**الاجارۃ قد تکون عقدا علی العمل کاستئجار القصار والخیاط ولابد أن یکون العمل معلوما وذالک فی اجیر المشترک**‘‘ (**ھدایۃ:۳/۲۷۸، کتاب الاجارۃ**)

دوسروں کے لئے سامان لانے پر نفع کمانا

س: بعض مرتبہ دوسرے ملکوں یا شہروں میں رہنے والے کسی رشتہ دار یا تعلق کے آدمی سے کوئی سامان لانے کی فرمائش کی جاتی ہے جو وہاں اچھا اور مناسب داموں پر مل جاتا ہے، سوال یہ ہے کہ سامان لانے والا شخص اس میں محنتانہ کے نام پر یا کچھ نفع رکھ کر اس شخص کو سامان دے سکتا ہے؟ شرعاً اس کی اجازت ہے؟

ج: سامان خرید کر لانے والے شخص کی حیثیت وکیل بالشراء کی ہے اور وکیل کو اجرت لینے کا حق اس وقت ہے جب وکیل بنانے کے وقت صراحتاً اجرت کی شرط لگائی گئی ہو یا پھر اس آدمی کا پیشہ ہی اجرت پر کام کرنے کا ہو، اگر یہ دونوں چیزیں نہ پائی جائیں تو وکیل کو موکل سے کمیشن یا اجرت یا کسی طرح کا منافع لینا جائز نہیں ہوگا، بلکہ وہ بطور تبرع کام کرنے والا ہوگا۔

لہذا صورت مسئولہ میں اگر شخص مذکور نے سامان لانے کی فرمائش کے وقت ہی محنتانہ کی رقم طے کر دی ہو تب تو اس کا لینا جائز ہوگا، ورنہ خاموشی کے ساتھ محنتانہ یا منافع کے نام سے رقم لینا شرعا جائز نہیں ہوگا: ’’**اذا شرطت الاجرۃ فی الوکالۃ واوفاھا الوکیل استحق الاجرۃ وان لم تشترط ولم یکن الوکیل ممن یخدم بالاجرۃ کان متبرعا فلیس لہ ان یطالب بالاجرۃ**‘‘ (**درر الحکام فی شرح مجلۃ الاحکام:۳/۵۷۳**)

کسی کے لئے مقررہ قیمت سے کم میں سامان خریدا

س: ایک صاحب نے مجھے سامان لانے کے لئے پانچ ہزار روپے دیا اس کی قیمت مارکیٹ میں پانچ ہزار ہی ہے لیکن میں نے اپنے تعلق کے آدمی سے چار ہزار میں خریدا تو کیا یہ ایک ہزار روپئے میں رکھ سکتا ہوں؟

ج: صورت مسئولہ میں آپ کی حیثیت وکیل بالشراء کی ہے، اگر آپ نے اپنے موکل سے اجرت وغیرہ کے نام پر الگ سے کوئی معاملہ طے نہیں کیا اور نہ ہی اجرت پر مذکورہ کام کرنا آپ کا مشغلہ اور پیشہ ہے بلکہ آپ بطور تبرع سامان خرید کر لے جاتے ہیں تو ایسی صورت میں سامان کی خریداری کے بعد جو رقم بچ گئی اسے موکل کو واپس کرنا ہوگا، اس رقم کو آپ نہیں لے سکتے شرعاً جائز نہیں ہے۔ (حوالہ بالا)

ایک ہزار کا سامان بارہ سو میں فروخت کیا تو کیا فاضل رقم رکھ سکتا ہے؟

س: میں ایک کمپنی میں سیلس مین ہوں، میری تنخواہ مقرر ہے، کمپنی نے ایک سامان ایک ہزار میں فروخت کرنے کے لئے دیا میں نے اسے بارہ سو میں فروخت کر دیا تو کیا دو سو روپئے میں رکھ سکتا ہوں؟

ج: اگر کمپنی نے سامان مقررہ قیمت میں فروخت کرنے کے لئے دیا اور آپ سے یہ نہیں کہا کہ فاضل جتنا میں فروخت کرو گے وہ تمہارا بونس ہوگا تو ایسی صورت میں فاضل رقم آپ کے لئے رکھنا شرعاً درست نہیں ہے، بلکہ اس زائد رقم کا مالک بھی موکل (کمپنی) ہے، اسے اس رقم کو حوالہ کرنا ضروری ہوگا: ’’**الوکیل اذا خالف، ان خلافا الی خیر فی الجنس کبع بالف درھم فباعہ بالف ومائۃ نفذ**‘‘ (**الدر المختار علی صدر رد المحتار:۸/۲۵۶، کتاب الوکالۃ**)

’’**لو اعطیٰ احد مالہ لدلال وقال بعہ بکذا دراھم فان باعہ الدلال بازید من ذالک فالفضل لصاحب المال ولیس للدلال سوی الاجرۃ**‘‘ (**مجلۃ الاحکام العدلیہ:۱/۱۰۷**)

سامان فروخت کروانے پر کمیشن

س: ایک شخص نے بکر سے کہا ’’تم مجھ کو گاہک لاکر دو اور سامان بکوا دو، تمہارے معرفت جتنے گاہک سامان خریدیں گے میں ہر ایک گاہک پر تم کو پچیس روپئے دوں گا، اس طرح کا معاملہ درست ہے یا نہیں؟

ج: بائع اور مشتری کے درمیان معاملات طے کرانے میں جو شخص اپنا کردار ادا کرتا ہے اس کو سمسار یا دلال کہتے ہیں اور دلالی میں باقاعدہ معاملہ طے ہو اور کسی قسم کی جہالت نہ ہو تو فی نفسہ اس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں ہے، اسی طرح اگر جہالت معمولی ہو یا کثرت تعامل کی وجہ سے موجب نزاع نہ رہی ہو تو اس کو متاخرین فقہاء نے ضرورۃً جائز قرار دیا ہے: ’’**والحاصل ان الجھالۃ الیسیرۃ عفو فی ماجری بہ التعامل لکونھا لاتفضی الی النزاع عادۃً**‘‘ (**اعلاء السنن، باب اجر السمسرۃ:۱۶/۲۴۵**)

لہذا صورت مسئولہ میں شخص مذکور اور بکر کے درمیان مذکورہ معاملہ شرعاً جائز و درست ہے اور بکر کو دلالی میں ملنے والی اجرت جائز و حلال ہے: ’’**اجارۃ السمسار والمنادی... تجوز لما کان للناس بہ حاجۃ ویطیب الاجر الماخوذ لو قدر اجر المثل**‘‘ (**رد المحتار:۹/۶۴**) ۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

امارت شرعیہ بہار اڑیسہ وجھارکھنڈ کا ترجمان

ہفتہ وار
نقیب

پھلواری شریف

جلدنمبر 62/72 شمارہ نمبر 29 مورخہ ۹/محرم الحرام ۱۴۴۴ھ مطابق ۸/اگست ۲۰۲۲ء روزسوموار

یوم آزادی

پندرہ اگست ۲۰۲۲ء کو ہندوستان اپنی آزادی کی پچھترویں سالگرہ منا رہا ہے، اس سالگرہ کو یادگاری بنانے کے لیے مرکزی حکومت نے پورے سال آزادی امرت مہوتسو کا انعقاد کیا ہے، جس میں اپنی مرضی کی تاریخ بیان کرائی گئی اوران لوگوں کو ہائی لائٹ کیا گیا، جن کی کارکردگی تحریک آزادی میں یا تو تھی نہیں یا تھی تو برائے نام تھی، اس معاملہ میں خصوصیت سے مسلمانوں کو نظر انداز کیا گیا، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا حسرت موہانی، مولانا محی الدین قادری، مولانا منت اللہ رحمانی، مولانا مفتی ظفیر الدین مفتاحی، اشفاق اللہ خان، مولانا احمد اللہ صادق پوری، مولانا جعفر تھانیسری رحمہم اللہ اوران جیسے ہزاروں مجاہدین کی خدمت کو قابل ذکر نہیں سمجھا گیا، حالاں کہ جدوجہد آزادی میں مسلمان دوسرے لوگوں کی بہ نسبت سو سال قبل سے لگے ہوئے تھے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کو پہلے غدر کہا جاتا تھا، اب شعور بیدار ہوا ہے تو اسے پہلی جنگ آزادی سے تعبیر کیا جاتا ہے، جب کہ مسلمان ۱۷۵۷ء سے ہی انگریز بھگاؤ مہم سے لگ گیے تھے، ٹیپو سلطان وغیرہ کا دور ۱۸۵۷ء سے پہلے کا ہے، جنہوں نے انگریزوں سے لوہا لیا اور یہ کہتے ہوئے جان جاں آفریں کے سپرد کردی کہ ’’گیدڑ کی ہزار سالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی بہتر ہے‘‘۔

مادر وطن کے ایسے جانباز سپوتوں کو فراموش کرکے دوسرے لوگوں کے گن گان کرنا اور تاریخ کو دوبارہ لکھنے کی بات اس تحریک کا حصہ ہے، جسے ہم ہندتوا کے نام سے جانتے ہیں اور جس کی جڑیں ہندوستانی سیاست میں اس قدر پیوست ہوگئی ہیں کہ بظاہر اس سے باہر آنے کی شکل ناممکن تو نہیں، دشوار معلوم ہوتی ہے، ایسے میں ہمیں بھی یوم آزادی کے موقع سے ان مجاہدین کو خصوصیت سے یاد کرنا چاہیے جن کو قصداً بھلانے کی کوشش کی جارہی ہے، حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمی قاضی القضاۃ امارت شرعیہ نے آزادی کے پچاس سال مکمل ہونے پر کاروان آزادی کے نام سے پورے ہندوستان کا سفر کیا تھا، گرد کارواں کے طور پر یہ حقیر (محمد ثناء الہدیٰ قاسمی) بھی بہت ساری جگہوں پر شریک تھا، ہر جگہ قاضی صاحب نے یہ تحریک چلائی کہ گم نام مجاہدین آزادی پر کتابیں مرتب کی جائیں، چنانچہ بہار کے مسلم مجاہدین آزادی پر مولانا مفتی نسیم احمد قاسمی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب تیار کی تھی، احقر کا ایک مضمون بھی اس میں شامل تھا، یہ ضرورت اب بھی باقی ہے، ہم تاریخ کے دفینوں سے گمنام مسلم مجاہدین آزادی کو نکال کر لائیں اور علمی دنیا کے سامنے رکھیں، جب تاریخ کو مسخ کرنے کی کوشش ہو رہی ہو تو ہماری ذمہ داری صحیح تاریخ لکھنے اور پیش کرنے کی کچھ زیادہ ہی بڑھ جاتی ہے۔

یقیناً ہندوستان نے آزادی کے ان پچھتر سالوں میں بیش بہا ترقی کی ہے، کئی معاملوں میں ملک خود کفیل ہوا ہے، غربت کا رونا ہم چاہیں، جتنا روئیں، لیکن یہ حقیقت ہے کہ آزادی کے بعد لوگوں کے معیار زندگی میں بڑی تبدیلیاں آئی ہیں، غلام ہندوستان میں زمیندار اور رجواڑے ہی چین کی زندگی گذارتے تھے، عام لوگوں کی حیثیت رعیت اور بندھوا مزدوروں جیسی تھی، آزادی کے بعد عام لوگوں کے لیے سہولیات کے دروازے کھلے، زمین داری ختم ہوئی تو زمین کا بڑا حصہ کاشتکاروں کے ہاتھ لگا، ونوبا بھاوے کی بھودان تحریک نے بھی سماج کے پس ماندہ طبقات تک زمین پہونچانے کا کام کیا، بہت ساری جگہوں پر سرکاری اداروں کے کھولنے کی شکل بنی، جن گھروں میں سائیکل دستیاب نہیں تھی، اب ان گھروں میں کئی کئی موٹر سائکل بلکہ کاریں نظر آتی ہیں، ہندوستان میں غذائیت کی کمی کے باوجود ہندوستان، صومالیہ ایتھوپیا، سری لنکا، نیپال کی طرح پریشان حال نہیں ہے۔

دوسری طرف گذشتہ بیس سالوں میں مختلف حوالوں سے آزادی پر پابندی لگائی جارہی ہے، اب حکومت طے کرتی ہے کہ ہم کیا کھائیں گے، کہاں نماز پڑھیں گے، اذان مائیک سے ہوگی یا نہیں، نصاب میں کیا پڑھایا جائے گا، بے گناہوں کو کس طرح این آئی اے اور ای ڈی کے ذریعہ ہراساں کیا جائے گا، مخالفین کی زبان بندی کے کیا طریقے ہوں گے، اہم موضوعات سے عوام کی توجہ ہٹا کر کس طرح انہیں غیر ضروری معاملات میں الجھا دیا جائے گا، آزادی کا مطلب اب یہ ہے کہ حکومت آزاد ہے، وہ جس طرح چاہیے معاملہ کرے، عوام کی قسمت میں مہنگائی ہے، بے روزگاری ہے، تشدد ہے اور نظروں میں امن وسکون کی آس ہے، جو دور دور تک غائب ہے، اس طرح فیض کے لفظوں میں یہ داغ داغ اجالا اور شب گزیدہ سحر ہے، اور یقیناً مجاہدین آزادی نے اپنی جان کا نذرانہ ان داغ داغ اجالوں کے حصول کے لیے نہیں دیا تھا، اسی لیے فیض کہتے ہیں۔

ابھی گرانیٔ شب میں کمی نہیں آئی — نجات دیدہ ودل کی گھڑی نہیں آئی — چلے چلو کہ وہ منزل ابھی نہیں آئی

’’سرنیم‘‘ تبدیل کرنے کا حق

سپریم کورٹ نے اپنے ایک فیصلے میں ’’سرنیم‘‘ (خاندانی وقبائلی سابقہ ولاحقہ) تبدیل کرنے کا حق باپ کی وفات کے بعد ماں کو دے دیا ہے، ماں اپنے بچے کو دوسرے شوہر کو گود لینے کا حق بھی دے سکتی ہے، اس طرح بچے کا سرنیم نہیں نسب بھی گود لینے والے مرد سے جڑ جائے گا، عدالت کی نظر میں ’’سرنیم‘‘ صرف نسب کا اشاریہ نہیں ہے، بلکہ وہ پوری خاندانی روایت، ثقافت اور تہذیب کا اعلانیہ ہے، ’’سرنیم‘‘ سے بچہ کی شناخت بنتی ہے۔ اب اگر ماں کے مطابق ’’سرنیم‘‘ رکھنے کا اختیار نہ دیا جائے تو بچہ کے ذہن میں ہمیشہ یہ بات رہے گی کہ وہ اس خاندان کا نہیں دوسرے خاندان کا فرد ہے۔ اس طرح بچہ دوسرے خاندان سے مربوط نہیں ہو سکے گا، عدالت کا کہنا ہے کہ اس نقطۂ نظر سے ہمیں کچھ غلط نہیں لگتا۔

سپریم کورٹ کے اس فیصلے سے آندھرا پردیش ہائی کورٹ کا فیصلہ منسوخ ہوگیا ہے، سپریم کورٹ میں یہ مقدمہ اکیلا للتا نے دائر کیا تھا، للتا کی شادی ۲۰۰۳ء میں کونڈا بالا جی سے ہوئی تھی، لیکن صرف تین سال بعد ۲۰۰۶ء میں وہ چل بسا، اور ایک لڑکا لہاد کو چھوڑ گیا، اس وقت لڑکے کی عمر ڈھائی ماہ تھی، ایک سال بعد اکیلا للتا نے دوسری شادی اکیلا روی نرسمہا سے کرلیا اور اپنے بچہ کا ’’سرنیم‘‘ اکیلا کردیا، یہ بات پہلے شوہر کے والدین کو پسند نہیں آئی، انہوں نے ۲۰۰۸ء میں پوتے کا سرپرست بنانے کی عرضی گذاری، یہ مقدمہ گارجین اینڈ وارڈس ایکٹ ۱۸۹۰ء کے دفعہ ۱۰/کے تحت دائر ہوا اور ہائی کورٹ نے اہلاد کے دادا، دادی کی اس درخواست کو مان لیا، سرپرست للتا کو باقی رکھتے ہوئے للتا کو حکم دیا گیا کہ وہ بچے کا ’’سر نیم‘‘ کونڈا کردے، معاملہ سپریم کورٹ پہونچا، اس نے ہائی کورٹ کی ہدایت کو ظالمانہ اور غیر معقول قرار دے کر للتا کو سرنیم بدلنے، بلکہ شوہر کو گود لینے اور اس کے باپ کے طور پر دوسرے شوہر کے نام درج کرنے تک کی اجازت دیدی، تاکہ بچہ اس دوسرے خاندان سے اپنے کو الگ نہ سمجھے۔

سماجی طور پر یہ فیصلہ جس قدر بھی قابل قبول ہو، لیکن بچے کے نسب بدل دینے کی بات تو ہم جیسوں کی سمجھ میں نہیں آتی، ہمارے یہاں کسی بچے کو باپ کے علاوہ دوسرے کسی مرد کو باپ کہا جاتا ہے تو اسے بڑی گالی سمجھی جاتی ہے، اس لیے اسلام نے منہہ بولے بیٹے کو اپنا نام دینے سے منع کیا ہے اور شفقت ومحبت کے باوجود اس گود لیے ہوئے بچے کو ترکہ میں بطور وراثت حصہ دینے کا کوئی تصور نہیں رکھا، البتہ وارثوں کے علاوہ دوسرے کسی کے بارے میں بھی تہائی مال کے بقدر وصیت نافذ العمل ہے، اسی طرح وہ اس منہہ بولے بیٹے کے لیے بھی وصیت کرسکتا ہے، پردہ وغیرہ کے احکام اس منہہ بولے بیٹے سے اجنبی مرد کی طرح ہی باقی رہے گا۔

سپریم کورٹ کا یہ فیصلہ مسلم پرسنل لا پر عمل کے بنیادی حق تسلیم کیے جانے کی وجہ سے مسلمانوں پر نافذ العمل نہیں ہے، لیکن کب کوئی سر پھرا اس کو نظیر بنا کر واویلا شروع کردے، کہنا مشکل ہے، اس مسئلے پر پہلے بھی کافی بحث ہوچکی ہے، اور مسلم پرسنل لا بورڈ کا قیام متبنّیٰ بل کی وجہ سے ہی عمل میں آیا تھا، جب حمید دلوائی نے متبنی بل کو یکساں سول کوڈ کی طرف بڑھتا قدم قرار دیا تھا۔

عالمی غذائی بحران

غذا انسان کی بنیادی ضرورتوں میں سے ایک ہے، اس کی وجہ سے جسم وجان کا رشتہ برقرار رہتا ہے، غذا نہ ملے تو انسان موت کی نیند سو جاتا ہے۔ اقوام متحدہ نے سات سال قبل اپنے اس عزم کا اظہار کیا تھا کہ ۲۰۳۰ء تک دنیا سے غذائی بحران کو دور کرکے انسانی آبادی کو بھوکے رہنے سے بچا لیا جائے گا، لیکن دیگر ممالک کے تعاون کے باوجود یہ عزم یوں ہی رہا، زمینی سطح پر غذائی بحران دور کرنے کی کوئی شکل نکل نہیں پائی، آج صورت حال یہ ہے کہ اقوام متحدہ ہی کی ذیلی تنظیم ورلڈ فورڈ کے اعداد وشمار کے مطابق غذائی قلت کی وجہ سے بیاسی (۸۲) کروڑ، اسی (۸۰) لاکھ لوگ بھوکے پیٹ سونے پر مجبور ہیں۔ ۲۰۱۹ء میں یہ تعداد صرف تیرہ (۱۳) کروڑ پچاس لاکھ تھی، ورلڈ فورڈ رپورٹ کے مطابق پینتالیس (۴۵) ملکوں کے پانچ کروڑ لوگ غذائی قلت کی وجہ سے بھوک مری کے دہانے تک پہونچ گیے ہیں اور بھوکے رہنے اور سونے والے افراد کی تعداد میں پچپن (۵۵) فی صد کا اضافہ ہوا ہے، اس صورت حال کے پیدا کرنے میں روس اور یوکرین کی طویل ہو رہی جنگ کا بھی بڑا عمل دخل رہا ہے، کیوں کہ روس اور یوکرین پوری دنیا میں گیہوں کی فراہمی کا بڑا مرکز رہا ہے، ایک اندازے کے مطابق پوری دنیا میں استعمال ہونے والے گیہوں کی مقدار کا ایک تہائی یہی دونوں ملک فراہم کراتے تھے، ترکی کی ثالثی میں گیہوں کی برآمدگی کو دوبارہ جاری کرنے کے ایک معاہدہ کے باوجود عملاً یہ ممکن نہیں ہو رہا ہے، اس لیے غذائی بحران دور ہونے کی فی الحال کوئی شکل نہیں بن رہی ہے، ایتھوپیا، صومالیہ، یمن، جنوبی سوڈان، افغانستان اور سری لنکا غذائی قلت کا زیادہ سامنا کررہے ہیں، ان ملکوں کی عوام میں بے چینی ہے اور اس بے چینی کے نتیجے میں سیاسی اتھل پتھل جاری ہے، امیر ممالک مثلاً امریکہ اور چین اس معاملہ میں سرد مہری برت رہے ہیں، جی۔ ۷ سے متعلق ممالک نے صرف ۵-۴/ارب ڈالر دینے کی بات کہی تھی، اس سے اتنی بڑی دنیا کا کیا بھلا ہوسکتا ہے۔

بچوں کی فلاح وبہبود سے متعلق ایک ادارہ یونیسیف ہے، ۲۳/جون ۲۰۲۲ء کو جو رپورٹ اس نے جاری کی ہے اس کے مطابق اسی (۸۰) لاکھ بچے غذائی قلت کی وجہ سے موت کی سرحد پر دستک دے رہے ہیں۔ جو مر گیے ان میں پینتالیس (۴۵) فی صد غذائیت کی کمی سے گیے۔

ہندوستان کی حالت بھی کوئی اچھی نہیں ہے، ایک اندازے کے مطابق پوری دنیا میں ۳۰۷/کروڑ کی آبادی بھرپور غذائیت سے محروم ہے، ان میں تقریباً ایک تہائی ستانوے کروڑ سے زیادہ لوگ ہمارے ملک ہندوستان میں بستے ہیں، نیپال اور پاکستان کی حالت اور بھی خراب ہے، کیوں کہ پاکستان میں ۵ء۱۳/فی صد اور نیپال میں چوراسی (۸۴) فی صد لوگ ایسی غذا کے حصول سے محروم ہیں جو انہیں بھرپور غذائیت فراہم کر سکے۔

مکمل غذائیت کے حصول کے لیے آمدنی ضروری ہے، فوڈ اینڈ ایگریکلچر آگنائزیشن جو اقوام متحدہ کی ہی ذیلی تنظیم ہے اس کے مطابق ہندوستان میں ۷ء۲/ڈالر، ایشیا کے لیے ۱۵ء۳/ڈالر اور عالمی سطح پر ۵۴ء۳/ڈالر میں غذائیت سے بھرپور خوراک کی فراہمی ممکن ہے، ہندوستان میں اوسط آمدنی مقررہ اعداد وشمار سے کم ہے، اس لیے ہندوستانی شہریوں کے لئے خوراک کا حصول ہی دشوار رہتا ہے، چہ جائے کہ بھرپور غذائیت کا خواب دیکھا جائے، غذائی قلت کی وجہ سے انسانی جسم کمزور ہوتا ہے اور اس کے کام کرنے کی صلاحیت کمزور ہوتی چلی جاتی ہے، جو مضبوط اعصاب کے نہیں ہوتے وہ غلط راہوں پر چلے جاتے ہیں، لوٹ مار، تشدد کا بازار گرم ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے سماج کو نت نئے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

ہندوستان زراعت پر منحصر آبادی والا ملک ہے، ہمارے کسان ہی کھیتوں میں محنت کرکے ہمارے لیے غذائی اجناس اگاتے ہیں، اگر ہم ہم کسانوں کی حوصلہ افزائی کرسکیں انہیں آبپاشی، بیج اور کھاد کی فراہمی میں سہولت دے سکیں، ان کی فصلوں کی معقول قیمت مارکیٹ میں ملے، اونے پونے فصل خریدکر ان کا استحصال نہ کیا جائے تو یہ ملک غذائی اجناس کی قلت سے بچ جائے گا اور فاقہ کشی کے اعداد وشمار میں کمی آئے گی، ظاہر ہے یہ کام حکومت کا ہے ملک کو غذا کے اعتبار سے خود کفیل بنانے کے سمت میں حکومت اپنی کوششیں تیز کرنی چاہیے، تاکہ یہاں کے حالات دگرگوں نہ ہوں۔

یادوں کے چراغ ✍: مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی

مولانا سید جمیل اختر حسینیؒ

سابق انچارج شعبۂ تبلیغ و تنظیم امارت شرعیہ چھوٹا ناگپور، ایڈ ہاک کمیٹی مسلم مجلس مشاورت رانچی کے کنویز، نامور عالم دین، قائدانہ صفات سے مزین، ملت کے لئے ہمیشہ سینہ سپر، مشہور ہومیو پیتھ معالج، معتدل نظریہ کے حامل، اپنے مسلک پر عامل اور دوسروں کے سلسلے میں روا دار مولانا سید جمیل اختر حسینی نے چھیانوے (۹۶) سال کی عمر میں ضعف ونقاہت، پیرانہ سالی اور عمر کے مقررہ ایام ختم ہونے کے بعد ۹/جنوری ۲۰۱۸ء بروز منگل، عشاء کی اذان کے وقت اپنے مکان نزد مسجد ابوبکر لاہ کوٹھی روڈ، ہند پیڑھی رانچی میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ ۱۰/جنوری بروز بدھ بعد نماز ظہر سینکڑوں سوگواروں کی موجودگی میں مولانا صدیق مظاہری (جواب خود بھی مرحوم ہو چکے ہیں) نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور راتو روڈ قبرستان میں سپرد خاک کیے گیے، پس ماندگان میں چھ صاحب زادہ اور تین صاحب زادیوں کے ساتھ نواسے، نواسی اور پوتے پوتیوں سے بھرا گھر چھوڑا۔

مولانا جمیل اختر حسینی بن حافظ سید عبد المغنی بن عبد الحیٔ بن سید شاہ عبد الرحمٰنؒ بن سید شاہ فرحت حسین کی ولادت موجودہ ضلع ویشالی اور سابق ضلع مظفر پور میں ہوئی، اس خاندان کی رشتہ داری ویشالی ضلع کے چہرہ کلاں اور چیپٹھ ضلع ویشالی میں رہی ہے۔ مولانا کی سسرال چک بہاؤ الدین ضلع سمستی پور تھی۔

ابتدائی تعلیم آبائی گاؤں میں حاصل کرنے کے بعد مدرسہ قاسمیہ گیا، پھر کولکاتہ اور وہاں سے غالبا دار العلوم دیو بند تشریف لے گیے، غالبا اس لیے کہ دار العلوم سے فراغت یقینی معلوم نہیں، البتہ بعض قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دیو بند گیے، انہوں نے اپنی ایک کتاب سیرت سرور کونین کا انتساب حضرت مولانا حسین احمد مدنی کی طرف کیا ہے اور انہیں اپنا استاذ بتایا ہے، فراغت کے بعد مولانا نے مدرسہ کاشف العلوم مچھوا پھل منڈی اور ندائے اسلام کولکاتہ میں معلّمی کے فرائض انجام دیے، ندائے اسلام مسجد کی امامت بھی آپ کے ذمہ تھی، حضرت مولانا قاری فخر الدین صاحب گیاویؒ کی تجویز پر کولکاتہ سے رانچی منتقل ہوگیے، جہاں دار القرآن میں انتظام وانصرام اور مدرسہ حسینیہ کڈرو رانچی میں درس وتدریس سے وابستہ رہے، حواری مسجد کربلا چوک رانچی کی خطابت چالیس سال تک آپ کے ذمہ رہی۔ ملازمت، خطابت اور سماجی خدمات کے حوالہ سے آپ نے رانچی کو اپنا میدان عمل بنایا اور ۱۹۵۷ء سے مسلسل نقل مکانی کر کے رانچی کے ہو کر رہ گیے، ۱۹۶۷ء کے ہولناک فساد میں آپ نے جان ہتھیلی پر رکھ کر جو خدمت انجام دی اس کی وجہ سے رانچی کے مسلمانوں میں آپ کی مقبولیت ومحبوبیت میں اضافہ ہوا، آج بھی لوگ اس موقع سے مولانا کی جرأت مندی، دانائی، مؤمنانہ فراست، مدبرانہ قیادت اور دور اندیش سیاست کا چرچا کرتے رہتے ہیں، اس موقع سے امارت شرعیہ کی ریلیف ٹیم بھی وہاں حضرت مولانا سید نظام الدین صاحبؒ امیر شریعت سادس کی قیادت میں پہونچی تھی، مولانا نے اس ریلیف ٹیم کا بھر پور تعاون کیا، امیر شریعت سادس اس کا اپنی مجلسوں میں تذکرہ کیا کرتے تھے۔

مولانا بڑے عالم تھے، ان کے ہم نشیں علوم وفنون میں ان کی مہارت کو ''کسبی'' نہیں ''وہبی'' اور علم لدنی کہا کرتے تھے، وہ مسلمانوں میں علوم دینیہ کی ترویج اور قرآن کریم صحت کے ساتھ لوگ پڑھیں اس کے لیے متفکر رہا کرتے تھے، چنانچہ ۱۹۶۱ء میں انہوں نے رانچی میں در القرآن کے نام سے ایک تعلیمی ادارہ قائم کیا، اس ادارہ کو ترقی دینے کے لیے کئی مدرس بحال کیے، کیوں کہ اس زمانہ میں آپ مدرسہ عراقیہ رانچی میں صدر مدرس کے منصب پر فائز تھے، اس لیے وقت کا بڑا حصہ ادھر لگانا پڑتا تھا، بعد میں دار القرآن کی طرف لوگوں کا رجوع شروع ہوا تو وہ ملت کے مسائل حل کرنے کا ایک مرکز بن گیا، تعلیم بھی جاری رہی اور ملت کو درپیش مسائل کا حل بھی مولانا نکالتے رہے۔

۱۹۶۴ء میں مسلم مجلس مشاورت کا اجلاس مولانا نے بڑے کروفر سے رانچی منعقد کرایا، امارت شرعیہ سے بھی انہیں والہانہ عشق تھا، وہ امارت کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے، ۲۶/صفر ۱۴۱۶ھ کو اس وقت کے ناظم امارت شرعیہ مولانا سید نظام الدین صاحبؒ نے چھوٹا ناگپور ڈویزن خصوصا رانچی، جمشید پور، ہزاری باغ وغیرہ کا انچارج شعبۂ تبلیغ و تنظیم مقرر کیا تھا اور یہ تقرری امیر شریعت رابع حضرت مولانا منت اللہ رحمانی نور اللہ مرقدہ کے حکم پر ہوئی تھی، اس حکم سے متعلق خط میں انہیں یکم ربیع الاول سے اس عہدے کی ذمہ داری سنبھالنے کو کہا گیا تھا، اور یہ بھی لکھا گیا تھا کہ فی الحال رانچی دفتر امارت شرعیہ کو مرکز بنا کر پورے حلقے میں کام کریں گے۔ مولانا مرحوم نے امارت شرعیہ سے وابستگی کی وجہ سے ہی اپنی قیمتی لائبریری دفتر امارت شرعیہ رانچی کے حوالہ کرنے کی وصیت کی تھی۔

مولانا بہترین خطیب اور اچھے مصنف تھے، پہلے ہند پیڑھی کی مسجد اور پھر مسجد حوارئین میں چالیس سال تک خطاب فرمایا، کئی لوگ تو ان کی تقریر سننے کے لیے ہی اس مسجد میں آکر نماز پڑھتے تھے، مولانا نے اپنی اس صلاحیت سے اصلاح معاشرہ کا بڑا کام لیا، رانچی میں آپ کے دوستوں کا ایک مخصوص حلقہ تھا، اور بڑی تعداد میں لوگ ان کی خدمات کے معترف اور مذہبی بنیادوں پر ان کے معتقد تھے، مولانا ان لوگوں میں تھے جو ملت کو بہت کچھ دے کر اپنی کاخ فقیری میں خوش وخرم زندگی گذارتے ہیں۔ مولانا کے اثرات کو دیکھ کر سیاسی بازی گران پر ڈورے ڈالتے، مال ودولت کی پیش کش کرتے، لیکن یہ غیور، خوددار اور عامل شریعت اس کی طرف دیکھنا، بلکہ تھوکنا بھی گوارہ نہیں کرتا۔

مولانا کو اللہ تعالیٰ نے تصنیف وتالیف کا جو ملکہ عطا فرمایا تھا، اس سے بھی انہوں نے کام لیا، ان کی کتابیں سیرت سرور کونین، چہل حدیث، علامات قیامت، رسول اللہ کے معجزے، رسول اللہ کے اخلاق اور رسول اللہ کی دعائیں مشہور ومقبول ہیں، اور انسانوں کی زندگی سنوارنے کے لیے مفید ہیں۔

مولانا مرحوم سے میری کئی ملاقاتیں تھیں، ان کا وطن اصلی بیلا بھوسا ہی ہے، جہاں سے ہم لوگوں کا تعلق قدیم ہے، مولانا مرحوم کے کہنے پر حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ نے عالی شان مسجد یہاں تعمیر کروائی تھی، ممکن ہے تعاون بعض دوسروں کا بھی رہا ہو، قاضی صاحب نے ہی وہاں امارت شرعیہ کا مکتب کھلوایا جو آج بھی جاری ہے، یہ سارا کام ان کے بھائی مظاہر الحسنین صاحب کی نگرانی میں ہوتا رہا ہے، مظاہر صاحب ابھی زندہ ہیں۔ اور عمر کی اس منزل میں ہیں، جہاں اعضاء جوارح کام کرنا بند کر دیتے ہیں، رانچی میں مولانا سے کئی ملاقاتیں رہیں، بلکہ ان کی زندگی میں جب بھی رانچی جاتا تو ان سے ملاقات کے لیے وقت نکالتا، وہ اپنے چھوٹے سے کمرے میں کتابوں کے درمیان موجود ہوتے، ان کے پاس اخبارات کا بڑا ذخیرہ تھا اور کسی زمانہ میں وہ اخبارات کے تراشے جمع کیا کرتے تھے، بعض موقعوں سے انہوں نے مجھے بھی اس کی زیارت کرائی تھی، مولانا جس طرح دوسرے کام کرنے والے کی حوصلہ افزائی کیا کرتے تھے، میری بھی کرتے، میں نے محسوس کیا کہ ان کے پاس جانے، ان کے احوال سننے سے ملی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کا جذبہ پیدا ہوتا تھا، اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے پاس بلا لیا، اور وہ اپنی تمام تر نیکیوں کے ساتھ اللہ کے پاس حاضر ہو گیے، اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ ان کی مغفرت فرمائے اور سیأت سے درگذر کر کے حسنات کے طفیل جنت کے اعلیٰ مقام میں جگہ دے۔ آمین یارب العالمین

کتابوں کی دنیا ✍: ایڈیٹر کے قلم سے

(تبصرہ کے لئے کتابوں کے دو نسخے آنے ضروری ہیں)

شیریں زبان، مفسر قرآن: مولانا ابوسلمہ شفیع احمدؒ

''تمثیل نو'' کے شمارہ ۲۷/ پر اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے میں نے ایک خط میں ڈاکٹر امام اعظم کو لکھا تھا:

''کولکاتہ کے حوالہ سے مضامین ومقالات اچھے ہیں۔ کمی صرف مذہبی سرگرمیوں کی رہ گئی ہے اور ان شخصیات کا تذکرہ بھی آنے سے رہ گیا ہے، جنہوں نے کولکاتہ میں مذہبی شناخت کی بقا کے لیے کام کیا اور مسلمانوں کو ان کے مذہبی شعائر واحکام سے دور نہیں ہونے دیا؛ بلکہ کہنا چاہیے کہ طویل کمیونسٹ عہد حکومت میں مسلمانوں کو دہریہ، مذہب بیزار اور دین سے دور ہونے سے بچا کر رکھا، یہ بہت بڑا کام ہے جو وہاں کے علماء اور مذہبی شخصیات نے انجام دیا ہے۔

بیسویں صدی کے اواخر اور اکیسویں صدی کے اوائل میں اس خدمت کے لیے مولانا ابوسلمہ شفیعؒ جو بہار شریف کے رہنے والے تھے کا نام وکام محتاج تعارف نہیں، ان کی کئی کتابیں مقبول خاص وعام ہیں، پوری زندگی خلافت کمیٹی کے زیر اہتمام ریڈ روڈ پر نماز عیدین کی امامت کرتے رہے، اور مختلف مسلک او رمکتب فکر کے لوگوں کو جوڑ کر رکھا، وہ سہل الحصول بھی تھے اور ہر سطح کے لوگوں تک خود پہونچا کرتے تھے'' (آدھی ملاقات صفحہ ۶۴)

پھر اس کے بعد میں نے مولانا کی حیات وخدمات پر مشتمل ایک مختصر مضمون نقیب کے لیے بھی لکھا تھا، بدقسمتی سے وہ مضمون مولانا ابوطلحہ بن ابوسلمہ ندوی تک نہیں پہونچ سکا اور اس کتاب میں شامل ہونے سے رہ گیا۔

مولانا ابوسلمہ شفیع احمد (ولادت ۱۹۱۲ء وفات ۲۲/دسمبر ۱۹۸۵ء) بن مولانا حکیم امیر حسن مرحوم پر وفات کے چھتیس سال بعد مولانا کے صاحب زادہ مولانا طلحہ بن ابوسلمہ ندوی کے ذریعہ ''حیات وخدمات ومشاہدات پر مشتمل گراں قدر مضامین'' کا مجموعہ شیریں زبان، مفسر قرآن حضرت مولانا ابوسلمہ شفیع احمدؒ کے نام سے دیکھ کر بے انتہا خوشی ہوئی، یہ ایک قرض تھا، جسے مولانا طلحہ ندوی نے اتارا ہے، حق تو یہ ہے کہ مولانا کی حیات وخدمات پر مفصل کتاب لکھی جائے اور اسے چھپوا کر عام کیا جائے تاکہ لوگ جان سکیں کہ مذہبی تعصب اور دین کی ترویج واشاعت کے لیے ہمارے علماء کس قدر جد وجہد کیا کرتے تھے، بلکہ میری رائے تو یہ ہے کہ عالیہ یونیورسیٹی کے کسی اسکالر کو یہ موضوع دے کر پی اچ ڈی کا مقالہ لکھوانا چاہیے، مولانا مدرسہ عالیہ کے زمانہ دراز یعنی اپریل ۱۹۴۹ء سے ۱۹۷۳ء تک استاذ رہے ہیں، اس تحقیق سے مدرسہ عالیہ کے اس دور کی تعلیمی خدمات بھی لوگوں کے سامنے آسکے گی۔

فی الوقت ہمارے سامنے مولانا کی حیات وخدمات پر مضامین کا جو مجموعہ ہے وہ انتہائی وقیع ہے، آٹھ ابواب کے تحت ان مضامین کو یکجا کر کے مولانا کی متنوع خدمات اور تاثرات کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے، پہلا باب حیات وخدمات پر مشتمل ہے، جس میں کل بیالیس (۴۲) مضامین اہل علم ودانش کے ہیں، اس باب میں مولانا قاضی اطہر مبارک پوری، امیر شریعت مولانا منت اللہ رحمانی، مولانا ضیاء الدین اصلاحی، مولانا عمیر الصدیق ندوی، پروفیسر احمد سجاد اور مولانا رضوان احمد ندوی معاون مدیر نقیب کے مضامین شامل اشاعت ہیں، دوسرے باب میں مولانا مرحوم کے نو مضامین ومقالات کو جمع کیا گیا ہے، جس میں مولانا کی تحریری خدمات اور ان کے اسلوب کا پتہ چلتا ہے، مضامین ومقالات کی تعداد اس سے بہت زیادہ ہے، لیکن چند مضامین کو محض مشتے نمونہ از خروارے کے تحت اس کتاب کا حصہ بنایا گیا ہے۔ تیسرا باب مولانا کے مکاتب پر مشتمل ہے، یہ بھی بہت نہیں ہے، صرف تین چار خطوط ہیں، یہ ذخیرہ اس قدر تو ضرور ہے کہ محنت کی جائے تو مولانا کے مکاتیب کا الگ سے ایک مجموعہ تیار ہو جائے۔ چوتھے باب میں مولانا کے قائم کردہ ادارہ ترجمہ وتالیف کا اجمالی تعارف کرایا گیا ہے، اس میں کل چھ مضامین ہیں، جن میں ایک مضمون کلکتہ کا ایک علمی سفر کے عنوان سے مولانا قاضی اطہر مبارک پوریؒ کا بھی ہے۔ پانچواں باب منظوم خراج عقیدت اور قطعات پر مشتمل ہے، جس میں نو شعراء نے مولانا کو خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ چھٹا باب اکابرین ومعاصرین کے تاثرات کے لیے مختص ہے، جس میں تینتالیس (۴۳) اکابر اور چار اداروں کے بیانات کو شامل کیا گیا ہے، ساتویں باب میں تعزیتی مضامین، روزنامہ، ہفتہ وار اور ماہناموں میں شائع تعزیتی بیانات وتجاویز کو جگہ دی گئی ہے۔ آٹھواں باب تعزیتی جلسوں کی رپورٹ کے لیے ہے۔ کتاب کا انتساب مولانا طلحہ ندوی نے اپنے والدین کے نام کیا ہے، جن کی تعلیم وتربیت نے ان کو اس لائق بنایا، تین سو باسٹھ (۳۶۲) صفحات کی یہ کتاب ادارہ ترجمہ وتالیف کولکاتہ سے شائع ہوئی ہے۔ قیمت درج نہیں ہے۔ ملنے کے لیے تین پتے دیے گیے ہیں، اگر آپ کولکاتہ میں ہیں تو ادارہ ترجمہ وتالیف 28/H/15 سر سید احمد روڈ کولکاتہ، لکھنؤ میں ہیں تو شاداب بلڈنگ، ٹیگور مارگ، ندوہ روڈ لکھنو اور نالندہ میں ہوں تو مکتبہ علم وحکمت محلّہ سکونت کلاں، بہار شریف نالندہ سے حاصل کر سکتے ہیں۔

کتاب اچھی چھپی ہے، ٹائٹل پر مولانا مرحوم کی تصویر بھی دی گئی ہے اور آخر کے صفحات بھی اس سے مزین ہیں، ٹائٹل کے آخری صفحہ پر زیور محل جیولرس کا اشتہار ہے، طباعت کے لیے رقم نہ ہو تو یہ سب کرنا ہی پڑتا ہے۔

پروف ریڈر کی نگاہوں کے چوکنے کا شکوہ قاری کو بہت ہوگا، ٹائٹل پیج کے تیسرے صفحہ کی سیٹنگ درست نہیں ہے، اس کا مواد اندر کے صفحات میں تین سو تینتالیس (۳۴۳) اور اندر کے صفحات میں علامہ ابوسلمہ شفیع احمد کے احباب ورفقاء والے مضمون کا تین سو بیالیس (۳۴۲) سے اٹھ کر تین سو چالیس پر چلا گیا، کتابوں میں اس طرح کے بقیات کا سلسلہ روایتا نہیں ہوتا، اس سے قاری کو خلجان ہوتا ہے۔

مولانا ابوطلحہ ندوی صاحب کی یہ محنت قابل قدر اور لائق ستائش ہے۔ دعوت تبلیغ اور دینی کاموں سے جڑے لوگوں کے لیے یہ کتاب انتہائی مفید ہے۔

جنگی حکمت عملی

ابن اسحٰق سے منقول ہے کہ جنگ احزاب میں جب حالات انتہائی خطرناک تھے اور خوف ودہشت کی فضا طاری تھی، نعیم بن مسعودؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے اسلام لانے کی میرے قبیلے والوں کو خبر نہیں ہے، اس لئے آپ کوئی خدمت میرے سپرد کیجئے، تو یہ موقع ہے، آپؐ نے فرمایا کہ ہاں تم ہم میں کے اکیلے ہی وہاں ہو، اس لئے ہمارے بارے میں جو تم مناسب سمجھو وہاں کہہ دینا کہ لڑائی میں چالاکی اور دھوکے ہی سے کام لیا جاتا ہے، چنانچہ نعیم اجازت لے کر بنوقریظہ میں پہنچے، جن سے ان کا زمانہ جاہلیت میں اچھا میل جول تھا، انہوں نے وہاں پہنچ کر بنوقریظہ سے کہا کہ میں تم لوگوں سے دوستی رکھتا ہوں تم خوب جانتے ہو، ان لوگوں نے اس کی تائید کی، نعیمؓ نے کہا کہ تمہیں معلوم ہے کہ تمہارا قریش کا اور قبیلہ غطفان کا محمدؐ کے یہاں ایک ہی درجہ ہے، مدینہ منورہ تمہارا شہر ہے، جہاں تمہارا مال واسباب اور تمہارے سب متعلقین رہتے ہیں، لیکن قریش اور غطفان کی بستیاں دوسری ہیں، یہ لوگ صرف اس غرض سے آئے ہیں کہ تمہیں ساتھ ملا کر فائدہ اٹھالیں اور اگر جنگ کا پانسہ خلاف پڑتا نظر آئے تو اپنے اہل وعیال اور بستیوں کو لوٹ جائیں اور تمہیں اس شخص محمدؐ کو میدان میں تنہا چھوڑ جائیں جس کا مقابلہ تمہارے اپنے بس سے باہر ہے۔

لہذا میرا خیال یہ ہے کہ جنگ میں اس وقت تک قریش کے ساتھ شریک نہ ہو، جب تک بطورِ ضمانت وہ اپنے چند باحیثیت افراد کو تمہارے یہاں یرغمال نہ رکھ دیں، جنہیں اس وقت تک اپنی گرفت میں رکھو جب تک وہ محمدؐ سے لڑائی نہ چھیڑ دیں۔ نعیم بن مسعودؓ کی یہ تجویز بنوقریظہ کو سمجھ میں آ گئی اور انہوں نے کہا کہ تمہاری بات بالکل معقول اور ہمدردانہ ہے۔

نعیم بن مسعودؓ بنوقریظہ سے اس گفتگو کے بعد لشکر قریش میں پہنچے، قریشی سرداروں سے ملے، سپہ سالار قریش ابوسفیان سے ملاقات کی اور اس طرح کی بات شروع کی کہ آے قریشیو! میرا تم سے جو معاملہ ہے وہ مخلصانہ اور برادرانہ ہے تم اس کو اچھی طرح جانتے ہو اور تمہیں یہ بھی پتہ ہے کہ میرا محمدؐ اور ان کے دین سے کوئی واسطہ نہیں، اس وقت میں تمہارے پاس تمہاری خیرخواہی کی غرض سے ایک مشورہ دینے آیا ہوں، مگر یہ راز کی بات ہے، اسے پوشیدہ رکھنا ہوگا، عمائدین قریش نے کہا کہ تمہیں ہم معتبر اور قابل اعتماد سمجھتے ہیں اور تم پر یقیناً شک وشبہ کی کوئی وجہ نہیں، نعیم بن مسعودؓ نے کہا کہ تم لوگوں کو پتہ ہے کہ بنوقریظہ یہودی ہیں، ان کا اور محمدؐ کا دین ملتا جلتا اور قریب ہے، اس لئے انہوں نے محمدؐ کے ساتھ جو شرارتیں اور حرکتیں کی ہیں، ان پر انہیں شرمندگی ہے جس کو دور کرنے کے لئے انہوں نے محمدؐ کے پاس یہ پیغام بھیجا ہے کہ اگر ہم کچھ باحیثیت قریشیوں کو اپنے پاس یرغمال رکھ لیں تو کیا بنوقریظہ سے تمہاری ناراضگی دور ہوسکتی ہے؟ ہم ان قریشی سرداروں کو رہن کے نام سے رکھیں گے اور پھر تمہارے حوالے کردیں گے، تم ان کی گردنیں ماردینا اس کے بعد ہم تم مل کر قریش اور ان کے ساتھیوں کو اپنے یہاں سے نکال باہر کریں گے۔

بنوقریظہ کی یہ تجویز محمدؐ نے قبول کرلی ہے، اب بنوقریظہ تم سے کچھ معزز قریشیوں کو مانگیں تو تم اپنا ایک آدمی بھی نہ دینا اور ان سے بچ کر رہنا۔ یہاں سے اٹھ کر نعیم بن مسعودؓ قبیلہ غطفان میں آئے اور ان سے بھی اسی انداز کی گفتگو کی۔

چنانچہ اگلے روز بنوقریظہ کے پاس عکرمہ بن ابوجہل اور چند دوسرے سرداروں کو بھیجا اور یہ کہلایا کہ اے گروہ یہود! ابوسفیان تم سے یہ کہنا چاہتا ہے کہ: ''محمدؐ دین اسلام کا جو فتنہ لے کر اٹھے ہیں اس میں نہ کوئی چھوٹا بچے گا اور نہ بڑا، ہم تمہاری بستیوں میں ٹکنے کے لئے نہیں آئے، ہمارا مقصد تو یہ ہے کہ تم ہمارے ساتھ مل کر محمدؐ سے لڑنے کے لئے نکلو۔

اس کے جواب میں بنوقریظہ نے یہ کہلایا کہ آج یوم السبت ہے جو ہماری تعطیل کا دن ہے، ہم لڑائی میں اس وقت تک شریک نہ ہوں گے جب تک تم بطور رہن کچھ افراد ہمارے قبضے میں نہ دے دو، جن کو ہم حراست میں رکھیں گے تاکہ جس سے ہمارا شبہ دور ہوجائے کہ تم لوگ لڑائی کے لئے نہ نکلو گے اور ہمیں تنہا محمدؐ کے مقابلے میں چھوڑ جاؤ گے۔

یہ جواب سن کر ابوسفیان نے سمجھ لیا کہ واقعی ابونعیم نے ہمیں ٹھیک خبر دی تھی، چنانچہ اس نے بنوقریظہ کو یہ کہلا بھیجا کہ ہم تو ایک شخص بھی نہ دیں گے، تمہاری مرضی ہے چاہے لڑائی کے لئے ہمارے ساتھ آؤ یا گھر بند کر کے بیٹھ رہو۔

ادھر بنوقریظہ کو ابونعیم کی بات کی تصدیق ہوگئی کہ قریش نے یہی سوچا ہے کہ محمدؐ سے لڑائی میں موقع ملے تو حملہ کردیں ورنہ پیچھے لوٹ جائیں اور محمدؐ کے لئے ہم سے بدلہ لینے کو میدان خالی چھوڑ دیں کہ وہ ہمیں تنہا پاکر مغلوب کرلیں۔ انہوں نے قریش سے یہ بھی کہا کہ ہماری شرط تو وہی رہن والی ہے ورنہ لڑائی میں شریک ہونے کو تیار نہیں ہیں، غرض کہ قریش سے ان کا معاملہ ٹوٹ گیا، اس کے بعد اللہ نے قریش اور غطفان پر جو آندھی کا جھکڑ چلایا تو انہیں نہایت ذلت سے الٹے پاؤں میدان جنگ چھوڑ کر گھروں کو بھاگنا پڑا (علمی لطائف)۔

حضرت عمر بن العاص کی دانش مندی

ابن الکلبی کا بیان ہے کہ قیساریہ کی جنگ میں جب حضرت عمرو بن العاص نے چڑھائی کی تو وہاں کے رومی حکمراں نے یہ کہلوایا کہ ہمارے یہاں اپنا کوئی سفیر بھیجو، ہم اس سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں، عمرو بن العاص کو خیال ہوا کہ ان کے سوا کوئی دوسرا آدمی اس رومی حاکم کی بات کاٹ نہیں سکتا، اس لئے وہ خود ہی بحیثیت سفیر وہاں گئے اور بات چیت شروع کردی۔

عمرو بن العاصؓ کی گفتگو نہایت پروقار اور سنجیدہ تھی اس سے پہلے حاکم قیساریہ کو اس طرح کی شاندار اور مؤثر گفتگو سننے کا اتفاق نہیں ہوا تھا، اس نے عمرو بن العاصؓ سے پوچھا کہ آپ کے یہاں آپ کی طرح اور بھی لوگ ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ میری جو بات اور مقام مسلمانوں میں ہے اسے نہ پوچھیے، انہوں نے مجھے آپ کے پاس اس مصلحت سے بھیجا ہے کہ انہیں یہ ٹھیک اندازہ نہ ہوسکا کہ آپ لوگ میرے ساتھ کیا رویہ اختیار کریں گے (اس لئے مجھ جیسے معمولی حیثیت کے آدمی کو بھیجا ہے، کوئی بڑی حیثیت اور رتبے کا آدمی نہیں آیا) آخر حاکم قیساریہ نے انہیں انعام اور خلعت عطا کی اور ادھر چپکے سے قلعہ کے دربان سے کہلا بھیجا کہ جب یہ مسلمان سفیر باہر نکلنے لگے تو اس کو ختم کردینا اور جو کچھ اسے انعام دیا گیا ہے وہ لے لینا۔

حکایات اہل دل

مولانا رضوان احمد ندوی

چنانچہ عمرو بن العاص واپس ہوئے تو راستے میں غسان کا ایک عیسائی جوان کا قدیم واقف کار تھا اس نے انہیں دیکھ کر اشارہ کیا کہ بات تو جب ہے کہ تم جس ہشیاری سے یہاں آئے ہو اسی خوش تدبیری سے نکل بھی جاؤ، عمرو بن العاصؓ یہ بات سن کر ٹھٹھک گئے اور الٹے پاؤں حاکم کے پاس آئے، اس نے واپسی کی وجہ پوچھی تو کہا کہ میں نے آپ کے ان عطیات کے بارے میں سوچا تو آپ نے مجھے عطا فرمائے ہیں، میں نے ان میں اتنی گنجائش نہیں پائی جو میرے چچا کے بیٹوں کے لئے کافی ہوسکے، اس لئے میں نے یہ ارادہ کیا کہ (یہ عطیات یہاں چھوڑ کر) ان میں سے دس کو اپنے ساتھ لے کر آجاؤں تو آپ اسی کو دس پر تقسیم کردیں، اس صورت میں آپ کا احسان دس پر ہوگا اور یہ اچھا ہے، بہ نسبت اس کے کہ صرف ایک شخص پر ہو، اس نے کہا بالکل ٹھیک ہے، ان کو جلد لے آیئے اور دربان کے پاس خفیہ پیغام بھیج دیا کہ اب اس سے تعرض نہ کیا جائے اور انہیں جانے دیا جائے، آپ شہر سے نکل آئے اور بہت چوکنے رہے جب خطرہ سے باہر ہوگئے تو کہنے لگے اب کبھی اس طرح نہ پھنسوں گا، جب اس سردار سے صلح ہوگئی اور امیر لشکر سے ملاقات کے لئے آیا تو (دیکھا کہ یہ تو وہی شخص ہے) کہنے لگا، آپ وہی ہیں، آپ نے (یعنی عمرو نے) کہا، ہاں آپ میرے ہی ساتھ غداری کررہے تھے۔ کیسی دانائی اور ہوشیاری کے ساتھ حضرت عمرو بن العاصؓ نے اپنے آپ کو بھی بچا لیا اور مسلمانوں کو بھی نقصان اور ذلت سے محفوظ رکھا۔

حفظ قرآن کی ترغیب کا عجیب واقعہ

حسن بن علی التنوخی کے والد کی روایت ہے کہ ۳۴۲ھ میں جب وہ حج کے لئے گئے تو انہوں نے مسجد حرام میں بہت سارو پیہ اور کپڑے پڑے ہوئے دیکھے، انہوں نے لوگوں سے پوچھا یہ قصہ کیا ہے؟ تو انہیں معلوم ہوا کہ ایک صاحب خیر اور فیاض خراسانی شخص علی الزراد نے گزشتہ سال اپنے کسی آدمی کے ہاتھ یہاں بہت سا مال اور کپڑے بھیجے تھے اور اس شخص نے یہ کہا تھا کہ جا کر قریش والوں میں یہ اعلان کردو کہ ان میں جو کوئی حافظ قرآن ہوگا اسے بطور انعام اتنا مال اور انعام دیا جائے گا، مگر اس وقت کوئی قریشی اس کو ایسا نہ ملا جو حافظ قرآن ہوتا اور یہ انعام حاصل کرتا، بس بنی ہاشم کا ایک شخص آیا جس نے حفظ قرآن کے بعد یہ انعام پایا تھا، یہ صورت حال دیکھ کر اس شخص نے لوگوں سے کہا کہ کیسی غیرت کی بات ہے کہ قریشیوں کی حفظ قرآن سے یہ بے اعتنائی ہے، اس لئے اس نے بقیہ مال اور روپیہ لے جا کر اس خراسانی کو واپس دے دیا۔

اب یہ دوسرا سال آیا تو حج کے موقع پر پھر خراسان سے مال اور کپڑے آئے تاکہ حافظوں میں تقسیم کردیا جائے، اب کی مرتبہ یہ حال ہوا کہ قریش کی ہر شاخ میں سینکڑوں آدمی حافظ ہونے کی حیثیت سے آموجود ہوئے جنہوں نے پچھلے سال کے واقعہ سے سبق سیکھ لیا اور ان میں غیرت پیدا ہوئی جس کے نتیجہ میں حفظ قرآن کا شوق عام ہوگی اور اب کے سال انعام لینے کے لئے اتنے حافظ جمع ہوگئے کہ انعام پانے والے بڑھ گئے اور انعام کے طور پر جو کپڑا اور روپیہ آیا تھا وہ سب نمٹ گیا، بلکہ بہت سے حافظ باقی رہ گئے جو انعام مانگ رہے تھے، میں نے یہ قصہ سنا تو کہا کہ اس شخص نے قریش والوں کی فضیلت پھر ان میں پیدا کرنے کے لئے کیسی اچھی تدبیر اختیار کی، اللہ اس کی بہترین جزا اس کو عنایت فرمائے (علمی لطائف)۔

دو بیویوں میں باہم عدل قائم کرنے کا دلچسپ واقعہ

ابن السنوی کا واقعہ ہے کہ ان کا ایک ہمسایہ کسی مسجد میں امام تھا، وہ ایک سفارش کے لئے ان کے پاس آیا ان کے سامنے ایک پلیٹ میں شکر پارے رکھے ہوئے تھے، انہوں نے امام صاحب سے کہا کہ لیجئے کھائیے، امام صاحب کچھ سوچ میں پڑ گئے، ابن السنوی نے کہا میں سمجھ گیا آپ کس سوچ میں ہیں، شاید آپ کا خیال یہ ہے کہ بھلا ابن السنوی کے پاس حلال چیز کہاں ہوگی، مگر حقیقت یہ ہے کہ اس سے زیادہ حلال چیز آپ نے کبھی کھائی بھی نہ ہوگی، اسے کھائیے اس پر امام نے بطور مذاق کہا کہ ایسی حلال چیز آپ کے پاس کیسے آگئی جس میں کوئی شبہ تک نہ ہو۔

ابن السنوی نے کہا کہ اگر میں نے اس کی اصلیت بتادی تو آپ اسے کھائیں گے، امام صاحب نے وعدہ کیا، تو انہوں نے بتایا کہ کچھ دن پہلے کی بات ہے کہ رات کے وقت کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا، میں اندر تھا، باندی نے پوچھا کون؟ جواب ملا کہ ایک عورت ہے جو اندر آنا چاہتی ہے، اس کو اجازت دے دی گئی تو آکر میرے قدموں میں گرگئی اور انہیں چومنے لگی، میں نے پوچھا، تو کس ضرورت سے آئی ہے؟

اس نے بتایا کہ میرے شوہر نے دوسری بیوی کرلی جب کہ اس شوہر سے میری دو بچیاں ہیں، ایک بارہویں سال میں ہے دوسری چودہویں سال میں، مگر شوہر گھر نہیں آتا بچے باپ سے ملنا چاہتے ہیں اور ان کی وجہ سے میں بہت بے چین ہوں اور دل تڑپتا ہے، میرا منشاء یہ ہے کہ وہ میری اور نئی بیوی کی باری تقسیم کردے، ایک شب اس کے پاس گزارے اور ایک شب میرے پاس، میں نے اس عورت سے پوچھا کہ تیرا شوہر کرتا کیا ہے؟

اس نے کہا کہ نان بائی ہے، تب میں نے اس کی دکان کا پتہ معلوم کیا تو اس نے بتایا کہ کرخ محلے میں، اور پھر اس کا نام بھی بتایا، پھر اس عورت نے اپنے باپ کا نشان پتہ بتایا، پھر میں نے اس کی بیٹیوں کے نام دریافت کئے یہ ساری تفصیل پوچھ کر میں نے اس عورت سے کہا کہ تو بے فکر رہ ان شاء اللہ میں تیرے شوہر کو تیرے پاس بھیج دوں گا، تب اس عورت نے ایک پگڑی دی کہ اس کا سوت میں نے اور میری لڑکیوں نے کاتا ہے تو اس کا استعمال آپ کے لئے حلال ہے، میں نے کہا کہ اسے اب تم لے جاؤ، چنانچہ وہ چلی گئی۔

اس کے بعد میں نے دو سپاہی بھیج کر اس کے خاوند کو بلوایا، وہ سپاہی اسے لے کر آئے تو نان بائی کے منہ پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں، اس کی یہ کیفیت دیکھ کر میں نے کہا کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے، بلانے کا مقصد تو تم سے سفر کے لئے دو من آٹے کی روٹیاں پکوانا ہے، اس کی اجرت بھی تمہیں مل جائے گی، یہ سن کر ذرا اس نے چین کا سانس لیا اور کہا روٹیاں تو میں ضرور پکا دوں گا، مگر مجھے اجرت نہیں چاہئے، میں نے کہا، اجرت کیوں نہیں چاہئے؟ دوست ہی اگر نقصان پہنچائے تو اس سے برا دشمن کون ہوگا، تم ہمارے خاص لوگوں میں ہو، تمہاری بیوی جس کا یہ نام ہے ہماری چچازاد بہن ہے، پھر اس کی لڑکیوں کے نام لے کر میں نے اس کی خیریت پوچھی تو اس نے کہا، جی ہاں، اللہ کا شکر ہے سب خیریت سے ہیں، تب میں نے کہا کہ تم خود ہی سمجھدار آدمی ہو، لہذا میرا یہ کہنا غیر ضروری سا ہے کہ ان متعلقین کی دلداری میں کوئی کوتاہی نہ ہو۔

اس پر نان بائی نے اس بات کا وعدہ کرتے ہوئے میرے ہاتھ چومے، میں نے کہا، تو اچھا، اب دکان پر جاؤ تمہیں کسی قسم کی ضرورت ہو تو بے کھٹکے ہمارے پاس چلے آنا، جس رات یہ قصہ پیش آیا اس کو کئی دن گزر گئے تو آج کی رات اس نانبائی کی بیوی جو شکایت میرے پاس لے کر آئی تھی، میرے مکان میں آئی اور شکر پاروں کا یہ طباق پیش کیا اور قسم دی کہ اسے واپس نہ کروں، اس نے بتایا کہ اب وہ اور اس کے بچے نہایت سکون واطمینان سے ہیں، یعنی اس کے شوہر نے اس کے یہاں آمدورفت شروع کردی اور اس کی ضرورت کا خیال رکھنے لگا، پھر وہ کہنے لگی واللہ میں نے اپنے کاتے ہوئے سوت کو بیچ کر اس کی قیمت سے یہ شکر پارے بنائے ہیں، تب میں نے اس کا یہ ہدیہ قبول کرلیا، اب کہیے کہ یہ حلال ہے یا نہیں؟

امام صاحب نے کہا، خدا کی قسم اس سے بڑھ کر حلال کھانا اور کیا ہوگا۔

ابن السنوی نے کہا، تو پھر بے تکلف کھائیے، چنانچہ وہ پھر انہوں نے اور امام صاحب نے یہ شکر پارے کھائے۔

خاندانی نظام کا بکھراؤ اور اس کا حل

مولانا رضوان احمد ندوی

سماجی زندگی میں انسان کو اپنے خاندان اور خویش واقارب سے جذباتی لگاؤ وتعلق ہوتا ہے، اس سے وہ قربت اور یگانگت محسوس کرتا ہے اور اسی بنیاد پر اس کے اندر محبت وتعاون کا جذبہ اور حقوق وذمہ داریوں کا تصور ابھرتا ہے اور جب یہی جذبہ انس ومحبت کا فقدان ہوتا ہے تو خاندانی تعلقات کی بنیادیں ہل کر رہ جاتی ہیں، جس سے اللہ ناخوش ہوتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اس اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دیکر تم ایک دوسرے سے اپنا حق مانگتے ہو اور قرابت کے رشتوں کو بگاڑنے سے بچو'' (سورہ نساء:۱) گلوبلائزیشن کے اس دور میں انسانی معاشرہ جن متنوع وگوناں گو مسائل سے دوچار ہے، ان میں ایک یہی خاندانی اقدار کا پاس ولحاظ نہ رکھنا ہے، جس کا ایک بڑا سبب خودغرضی، مفاد پرستی، خود پسندی اور ایک دوسرے کے حق کی پامالی بھی ہے، اگر ہر قرابت دار کو ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی کا جذبہ بیدار رہے تو کسی کو کسی سے بھی نہ تو شکایت کا موقع ملے گا اور نہ ہی ذہنی وفکری فاصلے بڑھیں گے، عام طور پر رشتوں میں باہمی ناراضگی کے جو وجوہات ہوتے ہیں، ان میں حق تلفی سب سے بڑی وجہ ہوتی ہے، اسی لئے اسلام نے سب کے الگ الگ حقوق اور ذمہ داریاں متعین کیں اور انہیں قانونی تحفظ عطا کیا، تاکہ کوئی شخص کسی کمزور پر دست درازی نہ کر سکے اور کوئی صاحب حق اپنے حق سے محروم نہ رہے، اس لئے جب انسان اس دنیا میں قدم رکھتا ہے تو اس کے ماں باپ سے اس کا اولین رشتہ استوار ہوتا ہے، پھر اس کے بھائی وبہن اور دور ونزدیک کے ان تمام افراد سے اس کے تعلقات قائم ہوتے چلے جاتے ہیں، جو ان سے خون کا رشتہ رکھتے ہیں، ان ہی سے اس کا خاندان تشکیل پاتا ہے اور ان ہی کے درمیان اس کی اجتماعی زندگی کا آغاز ہوتا ہے جس کے استحکام کی قرآن مجید نے بڑی تاکید کی ہے، ''**وآت ذا القربیٰ حقہ**'' رشتہ داروں کا حق ادا کرو، تاکہ باہمی رواداری اور محبت وتعلق قائم رہے اور زندگی خوشگوار انداز میں گذرتی رہے، روایتوں میں آتا ہے کہ صلہ رحمی کرنے سے رزق میں برکت ہوتی ہے اور عمر میں اضافہ ہوتا ہے اور اس کے برعکس قطع رحمی سے نحوست اور مصیبت طاری ہوتی ہے اور اس پر سے اللہ کی رحمتیں اٹھالی جاتی ہیں، ابتداء پر نظر ڈالئے، خاندان کا آغاز شادی سے ہوتا ہے، بیوی کا پہلا حق یہ ہے کہ ان کے ساتھ محبت ومودت اور خوش اخلاقی سے پیش آیا جائے، ''**وعاشروھن بالمعروف**'' اور ان کو نان ونفقہ اور سکنہ دیا جائے، ''**اطعموھن مما تاکلون واکسوھن مماتکسون**'' تم جیسا کھاتے ہو ویسا ہی ان کو بھی کھلاؤ اور جیسا پہنتے ہو ویسا ہی پہناؤ، ایسے ہی بیوی کے فرائض میں یہ بات داخل کردی گئی کہ وہ اپنے شوہر کی اطاعت گزار رہے۔

یعنی بیوی کو چاہئے کہ شوہر کی عزت ووقار کا خیال رکھے، کسی ایسے شخص کو شوہر کی غیر موجودگی میں گھر میں نہ آنے دے جسے وہ پسند نہیں کرتا، رسول اکرمؐ کا ارشاد ہے ''ان عورتوں پر تمہارا حق یہ ہے کہ جن کو تم ناپسند کرتے ہو ان کو تمہارے گھر میں آنے کی اجازت نہ دیں'' (مسلم) بیوی شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نہ جائے اور دوسرے معاملات میں اس کے حکم کا پاس رکھے، آپؐ نے فرمایا ''بہترین بیویاں وہ ہیں جن کو تم دیکھو تو خوشی کا باعث ہو، جب تم ان کو حکم کرو تو وہ اطاعت کریں، جب تم ان سے جدا ہو تو وہ تمہارے غائبانہ میں اپنی عزت اور تمہارے مال کی حفاظت کریں'' (صحیحین)

مرد کو اللہ تعالیٰ نے ناظم اور قوام بنایا ہے، عورت پر اس کا یہ حق ہے کہ وہ اس بات کو ملحوظ رکھے، بچوں کو بھی اس کا احترام اور حکم ماننے کی تربیت دے تاکہ گھر کا نظام متوازن اور صحیح طور پر چلتا رہے۔

''مرد عورتوں پر قوام (انچارج) ہیں اس لئے کہ اللہ نے بعض کو بعض سے افضل بنایا ہے اور اس لئے بھی کہ مرد اپنا مال خرچ کرتے ہیں، پس نیک بیویاں اطاعت شعار ان کے پیچھے اللہ کی حفاظت میں خبردار کرتی ہیں'' (النساء:۳۴)

لیکن مشترکہ خاندانی نظام میں حقوق وفرائض کی یہ پوری ترتیب الٹ جاتی ہے، شادی کے بعد سسرال میں آتے ہی نئی نویلی دلہن ساس کی گرفت میں ہوتی ہے، جو صبح سے شام تک اس کے سر پر مسلط رہتی ہے، اس پر نند اور دیور کے نخرے اور بھی آسمان چھونے والے ہوتے ہیں، اس لئے مشترکہ خاندانی نظام میں تبدیلی لائے بغیر حقوق وفرائض کی وہ ترتیب بحال نہیں ہوسکتی، جس پر شریعت کا مدار ہے، چاہے وہ معاشرتی حقوق ہوں یا معاشی اس کی حصار بندی ہونی چاہئے اور حقوق کا تعین ہونا چاہئے، میرا یہ قطعاً مطمح نظر نہیں ہے کہ فرد اور خاندان کو الگ الگ تقسیم کردیا جائے اور ہر فرد کے ناتواں کاندھے پر ذمہ داریوں کے بوجھ ڈال دیئے جائیں، مگر ہاں اعتدال وتوازن اور حد بندیوں کی لکیریں ضرور ہونی چاہئے، بسا اوقات مشترک خاندان کے کچھ فائدے ہیں، مثلاً مشترک اور متحد رہنے میں خاندان کی طاقت بنی رہتی ہے، ایک بھائی کی آمدنی کم ہے اور دوسرے کی اس سے زیادہ ہے تو سب کا ایک ساتھ گذر بسر ہوجاتا ہے، لیکن جو لڑکا نکما رہتا ہے وہ نکما ہی رہ جاتا ہے اور آگے چل کر اس کی زندگی برباد ہوجاتی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ رشتہ ناتہ میں سب سے اونچا مقام والدین کا ہے، شرعی لحاظ سے ان کی اطاعت وفرمانبرداری کرنا اور ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا لازم وضروری ہے اس لئے اللہ نے اپنی عبادت ووحدانیت کے اقرار کے بعد والدین سے عاجزی اور نیازمندی سے پیش آنے کا حکم دیا اور اس کو نیکیوں میں اضافہ کا سبب بتلایا، ارشاد ربانی ہے:

''اور تیرے رب نے فیصلہ کردیا ہے کہ تم لوگ اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو، اگر تمہارے پاس ان میں سے ایک یا دونوں بوڑھے ہوکر رہیں تو انہیں اُف تک نہ کہو اور نہ ان کو جھڑک کر جواب دو، بلکہ ان سے احترام کے ساتھ بات کرو اور نرمی اور رحم کے ساتھ ان کے سامنے جھک کر رہو اور دعا کیا کرو کہ پروردگار ان پر رحم فرما جس طرح انہوں نے شفقت کے ساتھ بچپن میں مجھے پالا'' (بنی اسرائیل:۲۳-۲۴)

ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا ''میرے حُسن سلوک کا مستحق کون ہے؟ آپ نے فرمایا ''تیری ماں، اس نے معلوم کیا، پھر کون؟ آپ نے فرمایا ''تیری ماں، اس نے پوچھا، پھر کون؟ آپ نے فرمایا ''تیری ماں، اس نے پوچھا، پھر کون؟ آپ نے فرمایا ''تیرا باپ (بخاری، کتاب الادب)۔

اللہ نے والدین کا شکریہ ادا کرتے رہنے کی تعلیم دی ہے اور ظاہر ہے شکریہ زبان وعمل دونوں سے ہوتا ہے ''کہ میرا (یعنی اللہ تعالیٰ کا) اور اپنے والدین کا شکر ادا کرتا رہ'' (سورہ لقمان، آیت:۱۴)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنے اور والدین کی نافرمانی کرنے کو کبیرہ گناہ بتایا ہے۔ (صحیح بخاری، کتاب الادب)

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا ''اللہ تعالیٰ کو کون سا عمل زیادہ پسند ہے تو آپ نے فرمایا ''وقت پر نماز پڑھنا، پھر پوچھا پھر کون سا عمل، آپ نے فرمایا: والدین کی فرماں برداری کرنا، اس کے بعد معلوم کرنے پر فرمایا جہاد فی سبیل اللہ'' (بخاری، کتاب الصلوٰۃ)

اگر ماں باپ ایسے کام کرنے کے لئے کہیں جس سے اللہ کی نافرمانی ہوتی ہو تو اس کو نہیں ماننا چاہئے، لیکن والدین کا احترام نہیں چھوڑنا چاہئے۔

''اگر وہ تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ میرے (اللہ کے) ساتھ کسی ایسے کو شریک ٹھہرائے جس کا تجھے علم نہیں تو ان کی بات ہرگز نہ مان مگر دنیا میں ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کر'' (سورۂ لقمان، آیت:۱۵)

اس لئے والدین کی خدمت گذاری اور ان کے ساتھ حسن سلوک میں کبھی کوتاہی نہیں برتنا چاہئے، یہی ایمان کا تقاضہ ہے، لیکن افسوس ہے کہ آج اولاد کے اندر والدین کے تعلق سے خیر سگالی کا وہ جذبہ نہیں پایا جاتا جس کی نشاندہی کتاب وسنت میں کی گئی ہے، آج بیشتر لڑکے اپنے بوڑھے ماں باپ کو از کار رفتہ سمجھ کر اولڈ ایج ہوم میں محبوس کردیتے ہیں اور بسا اوقات والدین بھی اپنی اولاد کو ان کی نافرمانی کے باعث عاق کردینے کا اعلان کرتے ہیں جس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے، ان بنیادوں پر بھی والدین اور اولاد کے درمیان دوری پیدا ہوجاتی ہے، جس کے باعث خاندانی رشتوں کا تقدس پامال ہوتا نظر آرہا ہے، آج افراد خاندان ایک دوسرے کے لئے اجنبی بنتے جارہے ہیں، حد تو یہ ہے کہ بھائی بہنوں سے الفت ومحبت سے دل خالی ہوتا جارہا ہے، ایک بھائی کی خوشگوار زندگی دوسرے بھائی کو ایک آنکھ نہیں بھاتی، مادی ترقی نے بھی بھائیوں اور دوسرے رشتہ داروں کے درمیان فاصلے بڑھادئے ہیں، ایک ہی گاؤں اور ایک ہی شہر میں رہنے کے باوجود اپنے بھائیوں سے نہیں ملتے جلتے ہیں ایسا لگتا ہے کہ ان کے درمیان محبت ختم ہوگئی ہے، جو لوگ مادی طاقتوں پر اعتماد کرتے ہیں، ان کا اعتماد دراصل اسی چیزوں پر ہے جو بذات خود کسی قسم کی بھی قوت نہیں رکھتیں۔

ہمارے خاندانی رشتوں میں کمزوری کی ایک وجہ جغرافیائی فاصلے بھی ہیں بہت سے رشتہ داروں نے اپنے گاؤں ووطن سے باہر دور دراز کے شہروں اور بسا اوقات ملکوں میں بود وباش اختیار کرلی، روزگار اور معاش کی تلاش میں وطن سے کافی دور جانے کا رجحان پیدا ہوگیا، گرچہ یہ ان کی معاشی مجبوری بھی ہے، تاہم اس سے خاندان کے جذباتی تعلقات کے تانے بانے کمزور پڑتے جارہے ہیں، کبھی کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ والدین اور خویش واقارب کی آنکھیں دیکھنے کے لئے برسہا برس سے ترس جاتی ہیں۔

ساتھ ہی رشتہ داروں کے ساتھ بھی خیر خواہی کی تعلیم دی گئی۔

اللہ کی کتاب میں عام مومنین اور مہاجرین کے مقابلہ میں رشتہ دار ایک دوسر کے زیادہ حق دار ہیں (احزاب:٦)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ میں رحمٰن ہوں اور اس رحم (رشتہ داری) کو میں نے اپنے نام سے نسبت دی ہے، جو اسے جوڑتا ہے میں اس سے جڑتا ہوں اور جو اسے توڑتا ہے میں اس سے کٹ جاتا ہوں'' (ترمذی، کتاب البر والصلۃ)

رشتہ داروں سے قطع تعلق نہ کیا جائے، رشتے کا لحاظ رکھنا مومنانہ صفت ہے ''جو اللہ کے عہد کو پورا کرتے ہیں اور اقرار کو نہیں توڑتے اور جن (رشتوں) کے جوڑے رکھنے کا اللہ نے حکم دیا ہے ان کو جوڑے رکھتے ہیں اور اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور برے حساب سے خوف رکھتے ہیں اور جو پروردگار کی خوشی حاصل کرنے کے لئے صبر کرتے ہیں، نماز پڑھتے ہیں اور جو ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتے ہیں اور نیکی سے برائی کو دور کرتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے عاقبت کا گھر ہے'' (سورۃ الرعد:۲۰-۲۲) مگر اس وقت رشتہ داروں سے بھی بے اعتنائی برتی جاتی ہے۔

یہ وہ چند وجوہات ہیں جن سے خاندانی نظام کی بنیادیں کمزور ہورہی ہیں اور سماجی زندگی کے ڈھانچے اور اس کی کڑیاں متزلزل ہورہی ہیں، اس کے حل کے لئے وہی اصول اختیار کرنے کی ضرورت ہے جس کی رہنمائی ونشاندہی رب کائنات نے دی ہے، جس کا پہلا اور بنیادی اصول عدل وانصاف ہے جس رشتہ دار کا جو حق مقرر کیا گیا ہے اس کو شرعی بنیادوں پر ادا کیا جائے، دوسرے یہ کہ باہمی رواداری، خیر خواہی وہمدردی کے جذبے کو فروغ دینے پر توجہ دی جائے اور تعلقات کو بہتر بنانے کی کوشش کی جائے، اختلاف رائے کو ہرگز ہوا نہ دی جائے بلکہ قرابت داری کی بنیاد پر نہ کہ مال وزر کی بنیاد پر با اختیار سربراہ کی رائے کو فوقیت دی جائے یا آپسی صلح جوئی کے ذریعہ معقول آراء پر عمل کی جد وجہد کی جائے، اگر کسی رشتہ دار نے دور دراز کے مقامات پر بود وباش اختیار کرلی ہے تو ربط وتعلق کو استوار رکھنے کے لئے فون کے ذریعہ خیر وخیریت دریافت کرتے رہیں اور موقعہ بہ موقعہ اپنے غریب رشتہ داروں کا مالی تعاون کرتے رہیں، سورہ نور میں ہے کہ ''تم میں سے جو لوگ خوشحال ہیں اور وسعت رکھتے ہیں وہ اس بات کی قسم نہ کھائیں کہ رشتہ داروں، محتاجوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کی مدد نہ کریں گے، ان کو چاہئے کہ عفو ودرگزر سے کام لیں، کیا تم نہیں چاہتے ہو کہ اللہ تمہیں معاف کردے اور اللہ کی صفت یہ ہے کہ وہ معاف کرنے والا اور مہربانی فرمانے والا ہے''۔

اگر ہم نے ان معمولی باتوں کے لئے فکری تبدیلی پیدا کرلی تو یقین مانئے کہ آج بھی ہماری کھوئی ہوئی عزت وعظمت واپس مل سکتی ہے اور انسانیت ان کے اعزاز واحترام پر مجبور ہوسکتی ہے، اب ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم خود بھی بیدار ہوں، دوسروں کو بھی خواب غفلت سے بیدار کریں، تاکہ وقت وحالات اور زمانے کی تبدیلیوں کے ساتھ ہمارا خاندانی نظام بھی مضبوط ومستحکم ہو اور ہمارا معاشرہ امن وسکون کا گہوارہ بن سکے۔ **وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب** (اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کی طرف سے منعقدہ سیمینار مورخہ ۲۸/جولائی بمقام المعہد العالی پٹنہ میں پڑھا گیا)

مسلمانوں کی معاشی پسماندگی، اسباب اور تدارک

مولانا محمد اسرار الحق قاسمی

انسانی زندگی میں معیشت کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔معاشی استحکام کے بغیر نہ فرد ترقی یافتہ خیال کیا جاتا ہے اور نہ قوم۔قدم قدم پر انسان کو مال اور پیسے کی ضرورت پڑتی ہے۔معاش کی یہ اہمیت ہر دور میں رہی ہے، لیکن عہد حاضر میں معاشی استحکام گزشتہ زمانوں کے مقابلے میں اور زیادہ ناگزیر نظر آرہا ہے۔کیوں کہ اس زمانے میں اخلاق وروحانیت کا دائرہ محدود ہوا ہے اور مادیت نے ہر چہار جانب اپنی حکم رانی قائم کرلی ہے۔ہر شخص پُرتعیش زندگی گزارنے کا خواہاں ہے۔اس کے لیے بہت سے لوگ تگ ودو بھی کررہے ہیں، یہ الگ بات ہے کہ کس کی کوششیں کتنی کام یاب ہیں اور کون اپنے اہداف کو کس حد تک پارہا ہے۔دولت کی بڑھتی خواہش اور دولت کے حصول کے نت نئے طریقوں نے انسان کو بہت زیادہ مفاد پرست بھی بنادیا ہے، اسی لیے اپنے مفادات کے لیے لوگ دوسروں کا استحصال کرنے، یا دوسروں کو نقصان پہنچانے تک سے گریز نہیں کررہے ہیں۔ایسے میں لوگوں سے بھلائی کی توقعات و امکانات کم ہوگئے ہیں۔اگر انسان کے پاس پیسہ ہے تو اس کی ضروریات پوری ہورہی ہیں، لیکن اگر پیسہ نہیں ہے تو اس کی زندگی نہایت کسمپرسی میں گزر رہی ہے۔لوگ تعاون کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں یا معاشی اعتبار سے کمزور افراد اور طبقات کو آگے بڑھانے کے جذبے سے محروم ہوگئے ہیں۔اس لیے اس دور میں ضروری ہے کہ فرد بھی معاشی لحاظ سے مستحکم ہو اور قوم بھی اقتصادی طور پر مضبوط ہو۔

اسلام ایک ایسا دین ہے جو انسانی زندگی کے ہر شعبے پر زور دیتا ہے اور کسی کو بھی تشنہ لب نہیں چھوڑتا۔چوں کہ معاشیات انسانی زندگی کا اہم شعبہ ہے، اس لیے اس بابت اسلام نے روشنی پیش کی ہے، تاکہ اس میں چل کر لوگ اپنی معاشی زندگی کو بہتر بناسکیں۔معاشیات کی طرف اسلام شروع سے ہی توجہ دیتا ہے۔کیوں کہ اسلام میں معاشرتی زندگی بہت اہم ہے۔اسلامی تعلیمات کے مطابق انسان کو سماج میں ہی رہنا ہے۔شادی بھی کرنی ہے، بیوی کے اخراجات بھی اٹھانے ہیں، بچوں کی پرورش وپرداخت بھی کرنی ہے، ماں باپ کے حقوق اور سماج کے کمزور طبقات کی ضرورتوں کو بھی پورا کرنے میں حصہ لینا ہے۔ظاہر ہے کہ ان سب تقاضوں کی تکمیل کے لیے مال ودولت کے کردار سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔اسلام میں اس بات کی گنجائش نہیں کہ کوئی جنگلوں اور پہاڑوں کا رخ کرلے اور سماج ومعاشرت سے کٹ جائے۔اپنی اور اپنے بیوی بچوں کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے اگر کوئی محنت ومشقت کرکے کچھ کماتا ہے تو یہ بڑی سعادت کی بات ہے۔اسلام ایسے لوگوں کو سراہتا ہے، ان کی ہمت افزائی کرتا ہے۔’’حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک لڑائی میں شریک تھے۔ہمارے پاس سے ایک پھرتیلا جوان گزرا، جو غنیمت میں حصے کے طور پر ملے مویشی کو لیے جارہا تھا، تو ہم بول پڑے کہ اگر اس کی جوانی و سرگرمی اللہ کی راہ میں صرف ہوتی تو کیا ہی اچھا ہوتا۔ہماری یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: تم کیا کہہ رہے تھے؟ ہم نے بتایا کہ یہ اور یہ۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر وہ اپنے والدین یا ان میں سے کسی ایک کے لیے بھاگ دوڑ کرے تو یہ بھی اللہ کی راہ میں شمار ہوگا اور اگر وہ اپنے اہل وعیال کے لیے تگ ودو کررہا ہو، تاکہ ان کی کفالت کرسکے، تو یہ بھی اللہ کی راہ میں گنا جائے گا اور اگر اپنی ذات کے لیے کام کرے تو یہ بھی فی سبیل اللہ ہوگا۔‘‘ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ما نفعنی مال احد قط ما نفعنی مال ابی ابکر’’مجھے ابوبکرؓ کے مال کی طرح کسی کے مال نے فائدہ نہیں پہنچایا‘‘۔(ترمذی، صحیح) ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خادم حضرت انسؓ کو دعا دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ:’’اللھم اکثر مالہ‘‘’’اے اللہ ان کو مالِ فراواں دے‘‘ان تمام روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مال اگر صحیح طریقے سے حاصل ہو اور اسے صحیح جگہ پر استعمال کیا جائے تو برا نہیں ہے۔صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں کئی صحابی ایسے گزرے ہیں جو آج کے ارب پتیوں سے کم نہیں تھے۔جیسا کہ حضرت عثمان غنی، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، زبیر بن العوام اور طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہم۔اسلامی تعلیمات کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلام اپنے ماننے والوں کو پیسے کمانے سے نہیں روکتا ہے، بلکہ اگر کوئی اپنے بیوی بچوں کے اخراجات کی تکمیل کے لیے اور اپنے گھر بار کو درست طور پر چلانے کے لیے کاروبار وتجارت کرتا ہے تو اس کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے تجارت کی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے بھی تجارت کی ہے۔بعض اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کھیتوں میں بھی کام کرتے تھے اور بازاروں میں بھی خرید وفروخت کرتے تھے۔جیسا کہ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ’’وہ خود تو اصحابِ صفہ میں سے تھے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض یاب ہوتے تھے، لیکن مہاجرین بازاروں میں مشغول اور انصار کھیتوں میں کام کرتے تھے۔‘‘صحابہ کرام نے صرف تجارت میں حصہ ہی نہیں لیا، بلکہ تجارت کو الگ انداز میں فروغ بھی دیا۔مندرجہ ذیل واقعہ سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ کاروبار میں کس قدر برکت ہے اور اسلام نے کاروبار وتجارت کی کس طرح حوصلہ افزائی کی ہے۔’’انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ ایک انصاری نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی بے کاری کی شکایت کی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تیرے گھر میں کچھ ہے؟ اس نے عرض کیا۔کیوں نہیں، ایک چادر ہے، جسے ہم اوپر اوڑھتے ہیں اور نیچے بچھاتے ہیں اور ایک پیالہ ہے، جس میں ہم پانی پیتے ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جاؤ! وہ دونوں چیزیں لے آؤ۔جب وہ شخص دونوں چیزیں لے آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں لے کر حاضرینِ مجلس سے مخاطب ہوکر فرمایا: دونوں چیزوں کو کون خریدے گا؟ ایک آدمی نے کہا: میں ایک درہم میں خریدتا ہوں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو یا تین درہم میں کون خریدے گا؟ ایک دوسرے آدمی نے کہا: میں دو درہم میں خریدتا ہوں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چادر اور پیالہ آدمی کو دے کر دو درہم لے لیے۔انصاری کو دے کر فرمایا: ایک درہم کا کھانا خرید کر اپنے گھر والوں کو دے آؤ اور دوسرے درہم کی ایک کلہاڑی خرید کر میرے پاس لے آؤ۔پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے دستِ مبارک سے دستہ لگایا اور فرمایا: یہ کلہاڑی لے کر جاؤ اور جنگل سے لکڑیاں کاٹ کرلایا کرو اور انھیں بیچا کرو اور پندرہ دن تک میرے پاس مت آنا۔‘‘

’’وہ شخص چلا گیا اور لکڑیاں کاٹ کر فروخت کرتا رہا۔جب پندرہ دن کے بعد آیا تو وہ دس درہم کما چکا تھا، جن میں سے کچھ درہم کا اس نے کپڑا اور کھانا خریدا، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: یوں کما کر کھانا تمھارے لیے بہتر ہے اس سے کہ لوگوں سے مانگتے پھرو اور اس کے سبب قیامت کے روز تمہارا چہرہ داغ دار ہو۔‘‘(ماہنامہ اعتدال، مئی 2017، ص83) اسلام نے تجارت کے لیے اصول وضوابط بیان کیے اور تجارت کے باب میں اصلاحات کیں، تاکہ تجارت کا عمل صاف ستھرے انداز میں کیا جائے۔اس سے تاجر کا بھی فائدہ ہو اور دوسرے لوگوں کا بھی۔اسلام میں ایسی تجارت کے لیے گنجائش نہیں ملتی جس کے ذریعہ تاجر تو خوش حال ہو اور دوسرے لوگوں کا تاجر کی غلط پالیسیوں کی وجہ سے نقصان ہو۔تجارت کو باضابطہ فروغ دینے اور اسے بہترین سانچے میں ڈھالنے کے لیے عملاً رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجدِ نبوی کی تعمیر کے بعد’’سوق المدینہ‘‘ قائم کیا۔

معلوم یہ ہوا کہ اسلام معیشت واقتصادیات کو نظر انداز نہیں کرتا ہے، بلکہ معیشت واقتصادیات کی حوصلہ افزائی کرتا ہے اور اپنے ماننے والوں کی اس سلسلے میں راہ نمائی بھی کرتا ہے کہ انھیں کس طرح اپنی معیشت کو مضبوط کرنا ہے۔اسلام نے جو طریقے معیشت واقتصادیات کے لیے بیان کیے ہیں، وہ نفع بخش اور عوام الناس کے لیے مفید ہیں۔اسلام کے بیان کردہ ضابطے انسان کے حسن اخلاق کو بھی متاثر نہیں کرتے اور نہ ہی اس کی تہذیبی و مذہبی زندگی کو نقصان پہنچاتے ہیں۔جب کہ دنیا میں رائج معیشت کے دوسرے بہت سے نظام ونظریات سے انسانی زندگی کو اتنا فائدہ پہنچتا نظر نہیں آتا ہے اور وہ کسی نہ کسی حد تک انسانی زندگی کے دوسرے شعبوں کو متاثر کرتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ آج، جب کہ تمام قومیں اور افراد اپنی معیشت کو مضبوط کرنے میں مصروف ہیں، انسانی زندگی متاثر ہورہی ہے اور زندگی کے دوسرے تقاضے کنارے ہوتے جارہے ہیں۔جیسا کہ بہت سے لوگ اپنی شب وروز کی تگ ودو کے بعد اپنی معیشت کو مضبوط کرنے میں کام یاب تو ہوئے ہیں، لیکن اخلاقی سطح پر ان کے طور طریقے اچھے نہیں رہے۔کئی لوگوں نے جائز طریقوں کو استعمال کرکے دولت نہیں کمائی، بلکہ انھوں نے ہر طرح کے طریقے استعمال کیے، خواہ وہ جائز تھے یا ناجائز۔بہت سے لوگ جھوٹ بول کر پیسے کماتے ہیں۔اپنی چیز کی وہ خوبیاں بیان کرتے ہیں، جو فی الواقع اس میں نہیں ہوتیں۔اس کو دھوکہ دہی کہا جائے گا۔اس طرح حاصل کی ہی ہوئی کمائی کے کوئی معنی نہیں ہیں۔بعض لوگ دوسروں کا استحصال کرکے اپنی تجوریوں کو بھرتے ہیں۔وہ فیکٹریاں، کارخانے لگاتے ہیں، ان میں مزدور اور ملازمین کو رکھتے ہیں، کام تو ان سے خوب لیتے ہیں، لیکن ان کی محنت کے مطابق اجرت نہیں دیتے، بعض لوگوں کی غربت وافلاس یا کسی اور مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کم اجرت پر کام کراتے ہیں۔بعض اپنے ملازمین اور کام کرنے والوں کے پیسے وقت پر نہیں دیتے، اور لوگوں کے پیسے اپنے پاس رکھ کر اس سے مزید کمائی کرتے ہیں۔کچھ لوگ ایسی چیزیں فروخت کرتے ہیں جو فی نفسہ جائز ہی نہیں۔مثال کے طور پر نشہ آور اشیا کا استعمال۔بعض لوگ اچھے مال میں خراب مال کو ملا کر بیچتے ہیں، بعض لوگ کم تولتے اور کم ناپتے ہیں، بعض لوگ اپنی چیز کو مارکیٹ ریٹ سے زیادہ پیسوں میں باتیں بنا کر اور گاہکوں کو پھنسا کر فروخت کرتے ہیں۔بعض لوگ سودی کاروبار کرتے ہیں۔یہ سب طریقے غلط ہیں، لیکن یہ افسوس ناک بات ہے کہ ان طریقوں کو لوگ خوب اختیار کررہے ہیں۔غیر مسلم اقوام میں تو اس طرح کے طریقے رائج ہیں ہی، لیکن دکھ کی بات یہ ہے کہ مسلمان بھی دولت کمانے کے لیے اس طرح کے راستے اپنانے سے گریز نہیں کررہے ہیں۔ظاہر ہے کہ اگر اس طرح کسی کے پاس بہت سی دولت بھی اکٹھی ہوجائے اور اس کی معیشت مضبوط بھی ہوجائے تب بھی اس کے وہ فوائد حاصل نہ ہوسکیں گے۔یہ الگ بات ہے کہ بظاہر اس کی زندگی پُرتعیش گزرنے لگے، وہ اچھے کپڑے پہننے لگے، اچھے مکان بنالے، انواع واقسام کے کھانے کھالے، لیکن اس کے دور رس نتائج صحیح ظاہر نہ ہوں گے۔اسلام نے حرام کھانے سے منع کیا ہے۔کیوں کہ حرام کھانے کی وجہ سے عبادت بھی قبول نہیں ہوتی، انسان کا دل نیکیوں کی طرف مائل بھی نہیں ہوتا، اولاد بھی اچھے راستے پر نہیں چلتی۔جب کہ حلال رزق کے بہترین نتائج ظاہر ہوتے ہیں۔گویا کہ اگر آج کی دنیا میں رائج بہت سے طریقوں کو بروئے کار لایا جائے گا تو انسان کی مذہبی زندگی بھی متاثر ہوگی اور اخلاقی زندگی بھی۔کیوں کہ اس کے غلط طریقوں سے دوسرے لوگوں کے جو حقوق سلب ہوئے ہیں اور جو نقصان پہنچا ہے، اس کا روزِ قیامت حساب دینا ہوگا۔اس کے برعکس اگر اسلامی طریقوں سے انسان اپنی معیشت کو مضبوط کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اس سے اچھے ہی اثرات ظاہر ہوں گے، برے نتائج سامنے نہیں آئیں گے۔مثال کے طور پر اسلام کہتا ہے کہ سچ بولا جائے۔اس سچائی کو خرید وفروخت میں بھی نافذ کرنا پڑے گا۔یعنی سچ بولنا دوسرے تمام معاملات میں ضروری ہے، اسی طرح سچ بولنا خرید وفروخت اور کاروبار میں بھی لازمی ہے۔اس اعتبار سے کوئی شخص اپنی چیز کو فروخت کرتے ہوئے اپنی چیز کی ایسی خوبیاں نہ بیان کرے جو اس میں نہ ہوں۔کسی گاہک کو دھوکہ دینے کی کوشش نہ کرے۔کسی گاہک کو دھوکہ دے کر روپیہ کا مال دس روپے میں فروخت کرنے کی کوشش نہ کرے۔اسلام نے ناپ تول میں کمی کرنے سے منع کیا ہے، اس لیے کہ اس صورت میں گاہک کو نقصان پہنچتا ہے اور اس کی حق تلفی ہوتی ہے، اس لیے اگر کوئی شخص ایسا کرتا ہے تو اس طرح اس کے ذریعہ کمائی ہوئی دولت حرام ہوگی۔یعنی اسلامی تعلیمات کے مطابق اگر ناپ تول میں کمی نہیں کی جاتی ہے تو اس سے گاہک کو نقصان نہ ہوگا۔ملاوٹ کرنے کو بھی منع کیا گیا ہے، اگر کوئی شخص خالص چیز بیچتا ہے اور اس میں ملاوٹ نہیں کرتا ہے تو اس میں بیچنے والے کو تو فائدہ ہوگا ہی، لیکن خریدنے والے کو بھی فائدہ ہوگا۔کیوں کہ اسے خالص چیز مل گئی۔اسلامی تعلیمات کے مطابق اگر کوئی شخص نشہ آور اشیا جیسے شراب، چرس، گانجہ اور دیگر نشہ آور اشیا کا کاروبار نہیں کرتا ہے تو وہ ایسی چیزوں کو فروخت کرنے سے بچ جائے گا جو لوگوں کی زندگیوں کے لیے مہلک اور خطرناک ہوتی ہیں۔

اخبار جہاں..........(محمد اسعداللہ قاسمی)

امریکہ میں ۴؍ پولیس اہلکاروں پر سیاہ فام خاتون کے قتل کی فرد جرم عائد

امریکی محکمہ انصاف نے 2020 میں کینٹکی میں واقع گھر پر چھاپے کے دوران ماری گئی سیاہ فام خاتون بریونا ٹیلر کی موت کے الزام میں 4 پولیس افسران پر فرد جرم عائد کردی، ڈان اخبار میں شائع رپورٹ کے مطابق اٹارنی جنرل میرک گارلینڈ کا کہنا تھا کہ افسران کو وفاق کی جانب سے شہری حقوق کی خلاف ورزیوں، غیر قانونی سازش، جھوٹے بیانات دینے اور طاقت کے غیر آئینی استعمال اور رکاوٹ ڈالنے کے الزامات کا سامنا ہے، ان کا کہنا تھا کہ ہم الزام لگاتے ہیں کہ ان خلاف ورزیوں کے نتیجے میں بریونا ٹیلر کی موت واقع ہوئی ورنہ وہ آج زندہ ہوتیں، مئی 2020 میں میناپولس میں سفید فام پولیس افسر کے ہاتھوں قتل ہونے والے 46 سالہ سیاہ فام شخص جارج فلائیڈ اور بریونا ٹیلر کی اموات امریکا سمیت دیگر ممالک میں نسلی بنیادوں پر کی جانے والی ناانصافی اور پولیس کی سفاکیت کے خلاف بڑے پیمانے پر احتجاجی مظاہروں کی لہر کا باعث بن گئی تھیں۔

تھائی لینڈ کے نائٹ کلب میں آگ لگنے سے کم از کم 13 افراد ہلاک 40 زخمی

خبر رساں ایجنسی 'اے ایف پی' کے مطابق سوانگ روز ناتھما ساتھن ریسکیو فاؤنڈیشن کے ایک اہلکار نے نام ظاہر نہ کرنے کی شرط پر بتایا کہ آگ رات تقریباً ایک بجے صوبہ چونبوری کے ضلع ستہپ کے ماؤنٹین بی نائٹ اسپاٹ پر لگی جو بنکاک سے تقریباً 150 کلومیٹر جنوب میں واقع ہے، ریسکیو سروس کی طرف سے پوسٹ کی گئی ویڈیو فوٹیج میں لوگوں کو کلب سے چیختے ہوئے بھاگتے ہوئے دکھایا گیا ہے، ان کے کپڑے جل گئے تھے کیونکہ پیچھے بہت زیادہ آگ لگی ہوئی تھی۔(ڈاؤن نیوز)

امریکا میں وائٹ ہاؤس کے شمال میں آسمانی بجلی گرنے سے 4 افراد کی حالت تشویشناک ہے

امریکی اخبار 'نیویارک ٹائمز' کی رپورٹ کے مطابق ڈی سی فائر اینڈ ایمرجنسی میڈیکل سروسز ڈپارٹمنٹ کے ترجمان ویٹو میکیولو نے کہا کہ شام 7 بجے کے قریب 2 مرد اور 2 خواتین وائٹ ہاؤس کے پنسلوانیا ایونیو کے قریب لافائیٹ اسکوائر میں موجود تھے جہاں ان کے انتہائی نزدیک آسمانی بجلی گری، انہوں نے کہا کہ سیکرٹ سروس ایجنٹس اور امریکی پارک پولیس کے افسران قریب ہی موجود تھے جنہوں نے فوری طور پر امداد فراہم کرنے میں مدد کی اور چاروں کو قریبی ہسپتال منتقل کیا گیا۔

کمبوڈیا میں دریائے میکونگ پر ماہی گیروں نے 300 کلو وزنی مچھلی پکڑی

جنوب مشرقی ایشیا میں واقع ملک کمبوڈیا میں دریائے میکونگ پر ماہی گیروں نے 300 کلو وزنی مچلی پکڑی جسے تقریباً ایک درجن افراد نے مل کر ساحل تک پہنچایا، محققین کی جانب سے اسے میٹھے پانی کی سب سے بڑی مچھلی قرار دیا گیا ہے۔

اس مچھلی کا نام اس کی قمقمے نما شکل کی وجہ سے خمیر زبان میں 'کرسٹینڈ بورامی' رکھا گیا ہے جس سے مراد مکمل چاند ہے، 4 میٹر (13 فٹ) لمبی اس مادہ مچھلی پر الیکٹرانک ٹیگ لگانے کے بعد واپس دریا میں چھوڑ دیا گیا تاکہ سائنسدان اس کی نقل و حرکت اور رویے کی نگرانی کرسکیں۔

ترکی کی فن لینڈ اور سویڈن کو نیٹو رکنیت سے روک دینے کی دھمکی

ترک صدر رجب طیب اردوآن نے پیر کے روز کہا کہ اگر فن لینڈ اور سویڈن نے انسداد دہشت گردی کے حوالے سے گزشتہ ماہ کیے گئے اپنے وعدے پورے نہیں کیے تو ترکی ان دونوں ملکوں کی مغربی دفاعی اتحاد نیٹو کی رکنیت حاصل کرنے کی درخواستوں کو منجمد کردے گا، صدر اردوآن کا کہنا تھا، "میں ایک بار پھر یہ باور کرانا چاہتا ہوں کہ اگر سویڈن اور فن لینڈ نے نیٹو کی رکنیت کے لیے ہماری شرائط پوری نہیں کیں تو ہم اس عمل کو روک دیں گے۔" دہائیوں تک غیر جانبداری پر عمل پیرا سویڈن اور فن لینڈ نے یوکرین پر روسی فوجی حملے کے بعد نیٹو میں شمولیت کا فیصلہ کیا تھا۔ لیکن نیٹو اتحاد کے رکن ترکی نے ابتدا میں یہ کہتے ہوئے ان کی کوششوں کو روک دیا تھا کہ یہ دونوں اسکینڈ نیویائی ممالک "دہشت گردی" کی حمایت کرتے ہیں۔(قومی آواز)

ہندوستانیوں میں سے 74 فیصد کو واپس نہیں ملے پیسے!

حکومت لگاتار ڈیجیٹل لین دین کو فروغ دینے کی بات کر رہی ہے۔ لوگوں سے بار بار یہ اپیل بھی کی جا رہی ہے کہ نقد کی جگہ ڈیجیٹل لین دین کا استعمال کیا جائے، لیکن اس بڑھتے ڈیجیٹل لین دین کے درمیان 'فنانشیل فراڈ' یعنی مالی دھوکے بازی میں بھی لگاتار اضافہ ہو رہا ہے۔ ڈیجیٹل پیمنٹ کے دوران لوگوں کو کئی بار زبردست نقصان کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ ایک سروے میں پتہ چلا ہے کہ گزشتہ تین سالوں میں 42 فیصد ہندوستانیوں کو کبھی نہ کبھی فنانشیل فراڈ کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ فنانشیل فراڈ کے شکار ان لوگوں میں سے 74 فیصد لوگ ایسے ہیں جنھیں فنانشیل فراڈ کے دوران گنوائے گئے پیسے واپس بھی نہیں ملے، یہ سروے 'لوکل سرکلس' نے اکتوبر 2021 میں کیا تھا جس میں اخذ کیا گیا تھا کہ 29 فیصد لوگ اپنے اے ٹی ایم ڈیبٹ کارڈ کا پن نمبر رشتہ داروں کے ساتھ شیئر کرتے ہیں، جب کہ 4 فیصد لوگ اپنے گھریلو یا پھر دفتر کے اسٹاف کے ساتھ یہ پن نمبر شیئر کرتے ہیں۔ سروے میں یہ بھی پایا گیا کہ 33 فیصد شہری اپنے بینک اکاؤنٹ، ڈیبٹ یا کریڈٹ کارڈ اور اے ٹی ایم پاس ورڈ، آدھار، پین نمبر کو ای میل یا پھر اپنے کمپیوٹر میں رکھتے ہیں، 11 فیصد لوگوں نے تو یہ تمام ڈاٹا اپنے موبائل کے کانٹیکٹ لسٹ میں محفوظ رکھا ہوا ہے۔

فرانس میں ہیڈ اسکارف پر پابندی عالمی معاہدے کے منافی، اقوام متحدہ کا فیصلہ

سوئٹزرلینڈ کے شہر جنیوا سے جمعرات چار اگست کو ملنے والی رپورٹوں کے مطابق فرانسیسی حکام ایک اسکول میں ایک خاتون کی طرف سے ہیڈ اسکارف پہن کر آنے کی وجہ سے اس پر پابندی لگا کر انسانی حقوق کے ایک بین الاقوامی معاہدے کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوئے، اس بارے میں ایک شکایت 2016ء میں ایک ایسی فرانسیسی خاتون شہری کی طرف سے دائر کی گئی تھی، جو 1977ء میں پیدا ہوئی تھی۔ اس خاتون کا نام، مذہب اور دیگر شناختی کوائف اس کے وکیل کی درخواست پر ظاہر نہیں کیے گئے، اس درخواست پر اپنا فیصلہ سناتے ہوئے اقوام متحدہ کی انسانی حقوق کی کمیٹی نے کہا کہ فرانسیسی حکام کا اس خاتون پر اس کے ہیڈ اسکارف کے باعث پابندی لگا دینے کا فیصلہ شہری اور سیاسی حقوق کے بین الاقوامی کنونشن کے منافی تھا۔

الیکٹرانک میڈیا ایک مؤثر ترین ہتھیار!

لقمان عثمانی۔ جامعہ ازہر مصر، قاہرہ

مخالف قوتوں نے جب دینِ متین کے پھیلتے ہوئے بال و پر کو تیر و تلوار سے کترنے کی احمقانہ کوششیں کیں تو سرفروشانِ اسلام نے تیر و تلوار سے ہی ان کا مقابلہ کرکے ان کے ناپاک عزائم کو ملیامیٹ کردیا اور جب قلم کے ذریعے اسلام کے صاف وشفاف ماتھے پر نت نئے اعتراضات کی کالک لگا کر اور دینِ حق کی ابدی حقانیت میں شکوک وشبہات کا بیج بو کر اس کی بنیاد کو متزلزل کرنا چاہا تو میدانِ علم وقلم کے شہسواران نے اسی طور پر احقاقِ حق و ابطالِ باطل کا فریضہ انجام دیا؛ چناں چہ تلوار ہو کہ قلم، دونوں ہی ایسے طاقتور ہتھیار ہیں جنہوں نے ترویجِ دین، اشاعتِ علم اور اعلائے کلمۃ اللہ میں بنیادی کردار ادا کیا ہے اور ہر دو میدان کے رجالِ کار نے اپنے اپنے حصے کا فریضہ انجام دیا تب کہیں جا کر یہ دین اپنی اصل ہیئت میں ہم تک پہنچ سکا اور انہی اسلاف کی بیش بہا قربانیوں کے نتیجے میں ہم مختلف علوم وفنون کے سرمایۂ گراں مایہ کے وارث بن پائے؛ غرضیکہ جس محاذ پر جس ہتھیار کی ضرورت تھی اسی ہتھیار کا استعمال کرکے نہ صرف یہ کہ اسلام کا مکمل دفاع کیا بلکہ اس کے آفاقی پیغام سے دنیا کو روشناس بھی کرایا ...... لیکن اب اس حقیقت کو تسلیم کر لینے میں ہمیں ذرہ برابر بھی تامل نہیں ہونا چاہیے کہ یہ دنیا علمی سے زیادہ فلمی بنتی جا رہی ہے، کہ لوگ اب پڑھنے سے زیادہ دیکھنے پر یقین رکھتے ہیں اور یہ بھی آفتابِ نیم روز کی طرح واضح وروشن ہے کہ جو کچھ بھی ہم دیکھتے ہیں اس کا نقش ذہن وقلب میں اس طرح مرتسم ہو جاتا ہے کہ اس کے مثبت ومنفی اثرات ہماری ذاتی وسماجی زندگی پر بھی مرتب ہونے لگتے ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ جدید ٹیکنالوجی کے اس ترقی یافتہ دور میں — جب کہ تیر وتلوار کی جگہ توپ وبندوق نے لے لی اور قرطاس وقلم کے استعمال کی بجائے کمپیوٹر وموبائل جیسی اشیا کو ترجیح دی جانے لگی — اگر الیکٹرانک میڈیا کی شکل میں ذرائعِ ابلاغ کا ایک اور بہترین وتیز ترین طریقہ ایجاد ہو کر مقبولیتِ عام وخاص حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تو ہمیں دوسری تجدیدات کی طرح اس کا بھی استقبال کرنے سے گریز نہیں کرنا چاہیے۔

درحقیقت یہ بھی تیر وتلوار اور قلم وقرطاس کی طرح ایک ہتھیار ہی ہے جس کا ہم اپنے مقصد کی تکمیل میں درست استعمال کرکے نہ صرف یہ کہ بہتر نتائج حاصل کرسکتے ہیں بلکہ اشاعتِ دین واعلائے کلمۃ اللہ میں اپنے اسلاف کے شاندار ماضی کو دہراتے ہوئے حال کی بدحالیوں سے نکل کر تابناک مستقبل کی شاہراہ بھی تعمیر کرسکتے ہیں۔

الیکٹرانک میڈیا کو اپنے مقصد کی تکمیل میں استعمال کرنے کی بھی مختلف شکلیں ہوسکتی ہیں جن میں تین اہم ترین شکلوں کو بیان کرنے پر اکتفا کیا جا رہا ہے: (ا) میڈیا ہاؤس کا قیام، ہمارے ملکِ عزیز کی موجودہ صورتِ حال یہ ہے کہ:

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

یہاں پہلے تو مسلمانوں کے گھر بار کو مسمار کیا جاتا ہے، ان پر ظلم وزیادتی کا رویہ اپنا جاتا ہے، ان کی عورتوں کے آبگین ؟ عفت کو چور چور کرنے کی دھمکیاں دی جاتی ہیں اور شعارِ اسلام کی حرمت کو پامال کیا جاتا ہے؛ لیکن اگر مسلمانوں کے ردِ عمل کا کوئی ادنی واقعہ بھی پیش آجائے تو ہمارے یہاں کی گودی میڈیا اپنی تمام تر بدبختیوں پر پردہ ڈال کر مسلمانوں کو ہی بطورِ ولن پیش کرکے عام لوگوں کے دلوں میں نفرت کا شعلہ بھڑکانے کی کوشش میں مصروفِ عمل ہو جاتی ہے؛ تا آں کہ بعض سادہ لوح مسلمان بھی انہی جعلسازیوں پر ایمان لا کر دشمنوں کی ہمدردی میں گھلنے لگتے ہیں؛ گویا کہ: دیکھتے کچھ ہیں، دکھاتے ہمیں کچھ ہیں، کہ یہاں کوئی رشتہ ہی نہیں خواب کا تعبیر کے ساتھ ظاہر ہے کہ جب ہم نے غیروں پر تکیہ کرکے بیٹھ جانے کو کافی سمجھ لیا اور گنگنا جمنی تہذیب کا راگ الاپنے کا ٹھیکہ اپنے سر لے لیا تو پھر شاید ہم اسی سلوک کے مستحق ہیں، میڈیا کسی بھی جمہوری ملک کے لیے چار ستونوں میں سے ایک اہم ترین ستون کی حیثیت رکھتی ہے اور جس کی طاقت سے پورے ملک کا رخ پھیرا اور جس کی مدد سے لوگوں کے سوچنے کا زاویہ بدلا جا سکتا ہے؛ تا آں کہ تحریکِ آزادیِ ہند میں پرنٹ میڈیا وصحافت کا بھی بنیادی کردار رہا ہے اور اس مقصد کے لیے مختلف ادوار میں مختلف شہروں سے کتنے ہی اخبارات نکالے گئے؛ چناں چہ مولوی محمد باقر شہید کا ''دہلی اردو اخبار''، مولانا ظفر علی خاں کا ''زمیندار''، مولانا حسرت موہانی کا ''اردوئے معلیٰ''، مولانا محمد علی جوہر کا ''ہمدرد'' اور مولانا ابوالکلام آزاد کا ''الہلال'' اور ''البلاغ'' اسی سلسلے کی اہم کڑیاں ہیں جنہوں نے ہندوستانیوں کے دلوں میں نئی امنگ اور ترنگ کے ساتھ تحریکِ آزادی کا ثور پھونکنے کا کام کیا تھا، میرا خیال ہے کہ موجودہ دور میں ہندوستانی حکومت کی ہر محاذ پر ناکامی کو بتانے، نت نئی سازشوں کی حقیقت کو واشگاف کرنے اور مسلمانوں کے خلاف کیے جانے والے پروپیگنڈوں سے دنیا کو واقف کرانے میں الیکٹرانک میڈیا اس سے کہیں زیادہ بہتر نتائج دے سکتی ہے؛ تو پھر کوئی جواز نہیں بنتا کہ تمام تر اسباب مہیا ہونے کے باوجود ہم اس اہم ترین محاذ پر اپنے ہونے کا احساس دلانے سے بھی قاصر رہیں؛ بلکہ ضروری ہے کہ اپنا ایک میڈیا ہاؤس قائم کیا جائے اور جمعیت علمائے ہند جیسی نمائندہ تنظیم اس کا بیڑا اٹھائے تاکہ اس کے اثرات بھی دور رس ہوں اور اس کے نتیجے بھی تابندہ و پائندہ ہوں، (۲) اسلامی تاریخ پر مبنی فلم سازی کا اہتمام: کچھ چیزیں ایسی ہوتی ہیں جن کی قباحت کا عنصر ہماری میزانِ فکر ونظر پہ اس طرح غالب آجاتا ہے کہ ہم صرف اس کے مشمولات کو برا سمجھنے کی بجائے نفسِ شئی کو ہی غلط تصور کر لیتے ہیں؛ جس کی وجہ سے ہمارا ذہن اس کے دوسرے پہلوؤں کے تئیں سوچنے اور اس کے مشمولات کی نوعیت بدل جانے کی صورت میں بھی اس کے حکم پر نظرِ ثانی کرنے سے انکار کر دیتا ہے، یہ اور بات کہ وہ اپنے اندر تمام تر مفاسد کو سمیٹے ہونے کے باوجود عوام تو کیا خواص میں بھی اس حد تک رواج پا چکی ہوتی ہیں کہ ہمارا معزز سمجھا جانے والا طبقہ بھی اس میں ملوث نظر آتا ہے۔

یہ اچھی بات ہے کہ لوگ اپنی تلویث کو بے جا تاویلات کے ذریعے جواز کی بنیاد فراہم نہ کرکے کم از کم اپنے سینے میں احساسِ گناہ کی نعمت کو باقی رکھ پاتے ہیں جس کی بہ دولت توبہ کی توفیق بھی سلب ہونے سے محفوظ رہتی ہے؛ لیکن اس اعترافِ حقیقت سے منہ موڑ لینا بھی کوئی دانشمندی نہیں کہ جب کسی چیز کی حیثیت بدل جائے تو اس کا حکم بھی بدل جاتا ہے؛ چناں چہ جن ڈراموں اور فلموں کے ذریعے عریانیت وفحاشیت کو فروغ دیا جا رہا ہے اور کتنے ہی شفاف ذہنوں کو پراگندہ کیا جا رہا ہے؛ اگر ان کی حیثیت بدل دی جائے اور انہیں فلموں کو اپنے دینی مقاصد کی تکمیل میں بہ طور ہتھیار استعمال کیا جائے تو بجا طور پر اس کا حکم بھی بدل جائے گا، ہمارے پاس سوائے کفِ افسوس ملنے اور دم توڑتی نام نہاد جمہوریت پر آنسو بہانے کے اور کوئی چارہ نہیں بچتا جب ایک طرف مسلم حکمرانوں کی تاریخ اور مجاہدینِ آزادی کی قربانیوں کے تذکرے کو نصابوں سے خارج کر دیا جاتا ہے تاکہ نوخیز ذہنوں کو اپنی تاریخ سے نابلد رکھ کر احساسِ ماتحتی وکمتری کی کھائی میں ڈھکیلا جا سکے، تو وہیں دوسری طرف ''دی کشمیر فائلز'' جیسی فلموں کے ذریعے خود ساختہ منفی کرداروں کو نشر کیا جاتا ہے تاکہ مسلمانوں کی شبیہ خراب کرکے ان کے خلاف نفرت کا ماحول بنایا جا سکے، (بقیہ صفحہ: ۹؍ پر)

نوجوانانِ ملت اور ہمارا معاشرہ

مولانا محمد عظیم قاسمی فیض آبادی

افرادانسانی کا اجتماعی ڈھانچہ معاشرہ کہلاتا ہے، اجتماعی زندگی کی درستگی وخوبی اوراس کے پرسکون وخوشگوار بنانے کے لیے کچھ کلیدی صفات کی ضرورت ہے، خصوصاً نوجوان نسل کوان صفات سے متصف ہونا انتہائی ضروری ہے، اگر معاشرے میں ان صفات کا خیال نہ رکھا جائے تو اجتماعی زندگی پریشانی الجھن اور مصیبتوں کی آماجگاہ بن جاتی ہے، پھر معاشرے کا وہی حشر ہوتا ہے آج مغرب جس سے دوچار ہے اور ہمارے معاشرے میں بھی وہ ساری خامیاں آہستہ آہستہ داخل ہورہی ہیں۔

چونکہ جوان جس طرح گھر خاندان کا ایک فرد ہے اور گھریلوں وخاندانی ماحول کے پرسکون بنانے کے لیےنوجوان کی ذمہ داریاں اس کے کچھ حقوق ہیں، اسی طرح گھر خاندان کے دائرے سے آگےنوجوان اپنے گردوپیش معاشرے کا بھی ایک فرد ہے؛ بلکہ صحت منداور اسلامی معاشرے کے تشکیلی عناصر کا جزو لاینفک ہے اور معاشرے کی اصلاح اور اسلامی وخوشگوار معاشرے کی تشکیل کے لیےنوجوان کی ذمہ داری سب سے اہم ہے اس کے اسلامی کردار وگفتار، اخلاق اور اعمال حسنہ کے بغیر معاشرے کی اصلاح اور اسلامی معاشرے کا وجود نا کام ونا تمام رہتا ہے۔

نوجوانانِ ملت کے بےشمار واقعات ہیں کہ انھوں نے اپنے اسلامی کردار واعمال، اچھے اخلاق کے ذریعہ ایک مثالی معاشرہ قائم کیا، ایثار وہمدردی یعنی دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دینا اور دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہونا اسلام کی معاشرتی تعلیم ہے، معاشرہ کے اجتماعی نظام کے استحکام اور بقا میں اس کا بڑا عمل دخل ہے۔

امام واقدی علیہ الرحمہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ مجھے بڑی مالی پریشانی کا سامنا کرنا پڑا، فاقوں تک نوبت پہنچ گئی، گھر سے اطلاع آئی کہ عید کی آمد آمد ہے اور گھر میں کچھ نہیں ہے، بڑے تو صبر کرلیں گے؛ لیکن بچے مفلسی کی عید کیسے گذاریں گے؟ یہ سن کر میں اپنے ایک تاجر دوست کے پاس قرض لینے گیا، وہ مجھے دیکھتے ہی سمجھ گیا اور بارہ سو درہم کی سربمہر ایک تھیلی میرے ہاتھ پکڑادی میں گھر ابھی آیا ہی تھا کہ میرا ایک ہاشمی دوست آیا، اس کے گھر بھی افلاس وغربت نے ڈیرا ڈالا تھا، وہ قرض چاہتا تھا، میں نے گھر جاکر اہلیہ کو قصہ سنایا، کہنے لگی کتنی رقم دینے کا ارادہ ہے، میں نے کہا تھیلی کی آدھی رقم تاکہ دونوں کا کام چل جائے، اہلیہ نے کہا بڑی عجیب بات ہے کہ آپ کو ایک عام آدمی نے بارہ سو درہم دیئے اور آپ اسکو ایک عام آدمی کے عطیہ کا نصف دے رہے ہیں، آپ اسے پوری تھیلی دے دیں، لہٰذا میں نے پوری تھیلی اس کے حوالے کردی وہ تھیلی لے کر گھر گیا تو میرا تاجر دوست اس ہاشمی کے پاس گیا، کہا عید کی آمد آمد ہے گھر میں کچھ نہیں ہے کچھ رقم قرض چاہیے، ہاشمی نے وہی پوری تھیلی تاجر دوست کے حوالے کردی، تاجر کو اپنی ہی دی ہوئی تھیلی دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ وہ تاجر دوست تھیلی ہاشمی کے پاس چھوڑ کر میرے پاس آیا، میں نے اس کو پورا واقعہ سنایا، دراصل تاجر دوست کے پاس بھی اس تھیلی کے علاوہ کچھ نہیں تھا، اس نے سارا مجھے دے دیا تھا اور خود قرض لینے ہاشمی کے پاس چلا، ہاشمی نے جب وہ تھیلی حوالے کرنا چاہی تو راز کھل گیا۔

ایثار وہمدردی کے اس انوکھے واقعہ کی اطلاع جب وزیر یحییٰ بن خالد کے پاس پہنچی تو وہ دس ہزار دینار لے کر آئے، کہنے لگے ان میں دو ہزار آپ کے، دو ہزار آپ کے ہاشمی دوست کے، دو ہزار تاجر دوست کے اور چار ہزار آپ کی اہلیہ کے ہیں؛ کیوں کہ وہ تو سب سے زیادہ قابل قدر اور لائق اعزاز ہے۔

اسی طرح حضرت ربیع بن خثیم مشہور تابعی ہیں، ان کے زہد وتقویٰ اور دنیا سے بے رغبتی کے یادگار واقعات تاریخ کی کتابوں کی زینت بنے ہوئے ہیں۔

ایک مرتبہ ان پر فالج کا حملہ ہوا، صاحب فراش ہوگئے، انسان بیمار ہو تو خواہشات کا نخلِ آرزو ہرا ہوجاتا ہے، انھیں مرغی کے گوشت کھانے کی خواہش ہوئی، چالیس دن تک اس کا اظہار نہیں کیا، اس کے بعد بیوی سے کہا، انھوں نے مرغی کا گوشت بنا کر آپ کے سامنے پیش کیا، ابھی آپ نے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ دروازے سے فقیر نے خیرات کی صدا لگائی، آپ نے اپنا ہاتھ کھینچا اور اہلیہ سے فرمایا یہ فقیر کو دے آؤ، اہلیہ نے کہا میں فقیر کو اس سے بہتر چیز دے آتی ہوں، آپ نے پوچھا وہ کیا ہے، کہنے لگیں اس کی قیمت فرمایا بہت اچھا قیمت لے آؤ، وہ قیمت لے کر آئیں تو آپ نے فرمایا یہ کھانا اور قیمت دونوں اس فقیر سائل کو دے آؤ۔

اسلام کی پاکیزہ تعلیمات نوجوان نسل کو اچھے اخلاق وکردار کا خوگر بنانا چاہتی ہے، صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! انسان کو جو کچھ عطا ہوا ہے، اس میں سب سے بہتر کیا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا اچھے اخلاق!

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایمان والوں میں زیادہ کامل ایمان والے وہ لوگ ہیں، جو اخلاق کے اعتبار سے زیادہ اچھے ہیں، بلاشبہ اخلاق کا مقام بہت بلند مقام ہے اور انسان کی سعادت ونیک بختی، فلاح وکامرانی کے معراج میں اخلاق کا بڑا اہم اور خاص دخل ہے، کسی شاعر نے کیا ہی خوب کہا ہے۔

اخلاق کی دولت سے بھرا ہے میرا دامن
گو پاس میرے درہم ودینار نہیں ہیں

اسلام کی پاکیزہ تعلیمات نوجوان نسل کو اخلاقِ حسنہ کا درس دیتی ہیں، بزرگوں کا ادب واحترام، چھوٹوں پر شفقت، علماء کی قدر ومنزلت، محتاجوں اور بے کسوں کی دادرسی ہم عمروں کے ساتھ محبت والفت اور جذبۂ ایثار وہمدردی کا سبق دیتی ہے، معلم اخلاق محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے ''مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَلَمْ يُوَقِّرْ كَبِيْرَنَا لَيسَ مِنَّا'' (جو شخص چھوٹوں کے ساتھ رحم اور بڑوں کی توقیر نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں) بہ ظاہر یہ ایک مختصر سی حدیث ہے؛ لیکن اپنے اندر ایسی وسعت وگہرائی رکھتی ہے کہ اگر ساری کائنات اس حدیث پر عمل کرلے تو دنیا کے سارے جھگڑے ختم ہوجائیں، ظاہر ہے کہ اگر ہر شخص اپنے چھوٹوں سے پیار ومحبت، شفقت ورحم کا معاملہ اور نرمی کا برتاؤ کرے اور ہر چھوٹا اپنے بڑوں کی عزت واحترام کو ملحوظ رکھے، ان کی تعظیم وتکریم کرے تو جذبۂ ایثار وہمدردی پروان چڑھے گا اور اس طرح معاشرہ الفت ومحبت کا گہوارہ بن جائے گا۔

اسلامی تاریخ میں مسلمانوں کے جذبۂ ایثار اور دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دینے کی ایسی بےشمار مثالیں پائی جاتی ہیں، جس کی نظیر کسی دوسری قوم ومذہب میں نہیں ملتی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک انصاری کے گھر رات کو مہمان آگیا، ان کے پاس صرف اتنا کھانا تھا کہ یہ خود اوران کے بچے کھاسکیں، انھوں نے اپنی بیوی سے فرمایا کہ بچوں کو کسی طرح سلادو اور گھر کا چراغ گل کردو پھر مہمان کے سامنے کھانا رکھ کر برابر بیٹھ جاؤ کہ مہمان سمجھے کہ ہم بھی کھا رہے ہیں؛ مگر ہم نہ کھائیں؛ تاکہ مہمان پیٹ بھر کھا سکے۔ (ترمذی)

حضرت قشیریؒ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ صحابۂ کرامؓ میں سے ایک بزرگ کو کسی شخص نے ایک بکری کا سربہ طور ہدیہ پیش کیا، اس بزرگ نے خیال کیا کہ ہمارا فلاں بھائی اوراس کے اہل وعیال ہم سے زیادہ ضرورت مند ہیں، یہ سر ان کے پاس بھیج دیا، یہ سر جب دوسرے بزرگ کے پاس پہنچا تو اسی طرح انھوں نے تیسرے کے پاس اور تیسرے نے چوتھے کے پاس بھیج دیا، حتیٰ کہ سات گھروں میں پھرنے کے بعد یہ سر پہلے بزرگ کے پاس واپس آگیا۔

ایک مرتبہ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے چارسو دینار ایک تھیلی میں رکھ کر غلام کے سپرد کیا کہ ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے پاس لے جاؤ کہ ہدیہ ہے قبول کرکے اپنی ضرورت میں صرف کرلیں اور غلام کو ہدایت کردی کہ ہدیہ دینے کے بعد کچھ دیر گھر ٹھہر جانا اور دیکھنا کہ ابوعبیدہ اس رقم کو کیا کرتے ہیں، غلام نے حسب ہدایت یہ تھیلی حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کردی اور ذرا ٹھہر گیا، ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے تھیلی لے کر کہا کہ اللہ ان کو یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کا صلہ دے اوران پر رحمت فرمائے اوراسی وقت اپنی کنیز کو کہا کہ لو یہ سات فلاں کو پانچ فلاں شخص کو دے آؤ، حتیٰ کہ پورے چارسو دینار اسی وقت تقسیم کردیے، غلام نے واپس آکر واقعہ بیان کردیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی طرح چارسو دینار کی ایک دوسری تھیلی تیار کی ہوئی غلام کو دے کر ہدایت کی کہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو دے آؤ اور وہاں بھی دیکھو کہ وہ کیا کرتے ہیں، یہ غلام لے گیا، انھوں نے تھیلی لے کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حق میں دعا دی ''رَحِمَهُ اللهُ وَصَلَه'' (اللہ ان پر رحمت فرمائے اوران کو صلہ دے) یہ بھی تھیلی لے کر فوراً تقسیم کرنے کے لیے بیٹھ گئے اوراس کے بہت سے حصے کرکے مختلف گھروں میں بھیجتے رہے، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی بیوی یہ سب ماجرا دیکھ رہی تھیں، آخر میں بولیں کہ ہم بھی تو بخدا مسکین ہی ہیں، ہمیں کچھ ملنا چاہیے، اس وقت تھیلی میں صرف دو دینار رہ گئے تھے، وہ ان کو دے دیے غلام یہ دیکھنے کے بعد لوٹا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بیان کیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ سب بھائی بھائی ہیں۔

غور کیجیے کہ ان نفوسِ قدسیہ کے اندر فقر وفاقہ اور اپنی ضرورت واحتیاج کے باوجود اپنے دینی بھائی کی ضرورت وحاجت کو مقدم رکھنے اور اپنی بیوی بچوں کو بھوکا سلا دینے کی یہ صفات محمودہ صرف اور صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت وتربیت سے آئی۔

اسی طرح کا واقعہ حضرت حذیفہ عدوی رضی اللہ عنہ کا ہے، فرماتے ہیں کہ میں جنگ یرموک میں اپنے چچازاد بھائی کی تلاش شہداء کی لاشوں میں کرنے کے لیے نکلا اور کچھ پانی ساتھ لیا کہ اگر ان میں کچھ جان ہوئی تو پانی پلادوں گا، ان کے پاس پہنچا تو کچھ رمق زندگی کی باقی تھی، میں نے کہا کہ کیا آپ کو پانی پلادوں، اشارے سے کہا کہ ''ہاں'' مگر فوراً ہی قریب سے ایک دوسرے شہید کی آواز ''آہ آہ'' کی آئی تو میرے بھائی نے کہا کہ یہ پانی ان کو دے دو، میں ان کے پاس پہنچا اور پانی دینا چاہا تو تیسرے آدمی کی آواز ان کے کان میں پڑی، اس نے بھی اس تیسرے کو دینے کے لیے کہہ دیا، اسی طرح یکے بعد دیگرے سات شہیدوں کے ساتھ یہی واقعہ پیش آیا۔ جب ساتویں شہید کے پاس پہنچا تو وہ دم توڑ چکے تھے، یہاں سے اپنے بھائی کے پاس پہنچا تو وہ بھی ختم ہوچکے تھے۔

اندازہ کیجیے کہ اگر پیاس کی شدت، گرمی ودھوپ کی تپش، زخموں سے چور اور پھر حالت بھی نزاع کی ایسے نازک موقع پر دوسروں کا خیال محض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وتربیت آپ کے عملی نمونہ اور قوت ایمان کا ہی کرشمہ ہوسکتا ہے، اخلاق واقدار کی بلندی کے اسی اعجاز کی طرف قرآن کریم نے اشارہ کیا ہے ''وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِ خَصَاصَةٌ'' (اور وہ دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں، اگرچہ خود تنگدست ہوں) دینی اخوت، اسلامی ہمدردی وغمخواری، للّٰہیت، الفت ومحبت دوسروں کی خبرگیری وخیرخواہی اور بےغرضانہ تعاون یہ وہ اخلاق واقدار ہیں، جن کے ذریعہ آپس میں دل ایک دوسرے سے ملے رہتے ہیں، آپسی تعاون وہمدردی کا جذبہ پائیدار وبیدار رہتا ہے۔ معاشرتی زندگی کے حوالے ان اخلاق واقدار سے متصف ہوئے بغیر ''نسلِ نو'' ماحول ومعاشرہ میں اسلامی کردار کی ذمہ داری سے عہدہ برا نہیں ہوسکتی، نئی نسل کی اولین ذمہ داری یہی ہے کہ وہ اسلام کی تعلیم اخلاقیات سے آراستہ وپیراستہ ہوکر معاشرہ میں خود اس کا عملی نمونہ پیش کرے۔

جنھیں حقیر سمجھ کر بجھادیا تم نے
وہی چراغ جلاؤ تو روشنی ہوگی

بقیہ: الکٹرانک میڈیا ایک مؤثر ترین ہتھیار......

کیا ایسی تشویش ناک صورتِ حال میں اپنی حقیقی تصویر کو پیش کرنے کے لیے ''ڈریلیش ارطغرل'' جیسے ڈرامے بنانے کی اہمیت مزید واضح نہیں ہوجاتی؟ جس میں قابلِ اعتراض چیزوں سے احتراز کرتے اور غیر شرعی امور سے بچتے ہوئے مسلم حکمرانوں کی تاریخ بھی ہو اور مجاہدینِ آزادی کی قربانیوں کا ذکر بھی، مسلمانوں کی عظمتِ رفتہ کے واقعات بھی ہوں اور اسلامی تعلیمات کا عکس بھی؛ تاکہ کتابوں سے دور ہوکر فلمی دنیا میں جی رہی ہماری نئی نسل بھی اپنی صحیح تاریخ سے واقف ہوسکے اور تلاشِ حق کے خواہشمند اغیار بھی مسلمانوں کے کارناموں کو جان سکیں اور اسلامی تعلیمات و پیغامات سے آگاہ ہوسکیں۔ (۳) ملحدین ومستشرقین سے ڈبیٹس کا التزام

آج کی سائنٹفک دنیا میں ہر چیز کو میزانِ عقل پر تولا او پرکھا جاتا ہے جو فی نفسہ غلط نہیں؛ لیکن جب سائنس اپنے دائرۂ کار سے نکل کر دینی معاملات میں دراندازی کرنے لگ جائے اور پیمانۂ صحت وتغلیط کی حیثیت اختیار کرلے تو پھر اس کی کوکھ سے بہت سے شبہات جنم لے لیتے ہیں؛ دوسری طرف یوٹیوب چینلز اور سوشل میڈیا کے ذریعے لوگوں کے ذہنوں میں باقاعدہ طور پر اس طرح کے اعتراضات پیدا کیے جاتے ہیں تاکہ ان کے ایمان کو متزلزل کیا جاسکے؛ چناں چہ جب ان شبہات کا ازالہ نہیں ہو پاتا اور لوگوں کو ان کے ذہن میں پیدا ہونے والے اعتراضات کے جوابات نہیں مل پاتے تو وہ الحاد و ارتداد کی کھائی کی طرف نکل پڑتے ہیں، اب ضرورت اس بات کی ہے کہ جس پلیٹ فارم سے ان شبہات کو عام کرکے لوگوں کو جادۂ حق سے پھیرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں اسی پلیٹ فارم کے ذریعے ہم ویڈیو کی شکل میں ان کے اعتراضات کا جواب دیں اوران لوگوں سے ڈبیٹ کرکے انہیں مطمئن کرنے کی کوشش کریں تاکہ وہ ان اعتراضات وشبہات کی حقیقت کو سمجھ سکیں اور بہ فضلِ رب ایمانی دولت سے محروم ہونے سے بھی محفوظ رہیں، غرض کہ ہمارے اسلاف نے جس طرح تلوار و قلم میں سے حسبِ موقع، مناسب ہتھیار کا استعمال کرکے اشاعتِ دین واعلائے کلمۃ اللہ کا فریضہ انجام دیا تھا، لازم ہے کہ ہم اسی فریضے کو انجام دینے کے لیے آج کے دور میں تلوار وقلم سے تعلق کو مضبوط رکھتے، بلکہ مزید مضبوط بناتے ہوئے الیکٹرانک میڈیا کو بھی بطورِ ہتھیار اختیار کریں کیوں کہ یہ موقع اسی کا متقاضی ہے۔

مسلم معاشرے میں جہیز کی وبا

بشریٰ ارم

جہیز ایک سماجی لعنت ہے، یہ ہم سبھی جانتے ہیں۔ جہیز کا نام آتے ہی ہماری آنکھوں کے سامنے ان مظلوم دوشیزاؤں کے چہرے گھومنے لگتے ہیں جن کی خوش باش زندگی جہیز کی بھینٹ چڑھ گئی اور جہیز نے ان کی زندگی کا خاتمہ کردیا۔ ہم سماج کی طرف نظر ڈالیں تو ہمیں ان بچیوں کا درد اور غم نظر آئے گا۔ جن کے بالوں کی۔ سفیدیوں نے ان کی جوانی کے دنوں کو نگل لیا ہے۔ ماں باپ دروازے کی چوکھٹ پہ نظریں لگائے یہ سوچتے رہے کہ کب ان' بیٹیوں کیلئے ان کی حیثیت کے مطابق رشتہ آئے گا اور ان کی بیٹی کا بیاہ ہوگا مگر ایسا ہو نہ سکا۔ انتظار ہفتوں میں، ہفتے مہینوں میں اور مہینے سال میں تبدیل ہوتے گئے اور خواہشیں سینوں میں دفن ہوکر رہ گئیں۔ آج جہیز ہمارے سماج کو دیمک کی طرح چاٹتا جارہا ہے 90 فیصد طلاق جہیز نہ لانے کی وجہ سے ہوتی ہے۔ جہیز نہ دلانے کی وجہ سے لڑکیوں کو سسرال میں ذہنی اور جسمانی طور پر اتنا زیادہ پریشان کیا جاتا ہے کہ وہ خودکشی پر آمادہ ہوجاتی ہیں اور جو لڑکیاں خودکشی نہیں کرتیں، انہیں طلاق دے کر واپس مائکہ بھیج دیا جاتا ہے جہاں بقیہ زندگی انہیں مائکہ والوں کے رحم وکرم پر گزارنی پڑتی ہے۔ آج ہمارے معاشرے میں تعلیم کی اہمیت کو سمجھا جارہا ہے مگر پھر بھی ان لڑکیوں کی تعداد بہت زیادہ ہے جو اب بھی اعلی تعلیم کی نعمت سے محروم ہیں۔ انہیں تعلیم کے بجائے گھر بسانے کی تلقین زیادہ کی جاتی ہے۔ ہمارا مسلم معاشرہ بھی اس سے اچھوتا نہیں۔ ہمارے معاشرے میں وہ سارے رسم ورواج درآئے ہین جو غیر مسلم معاشرے سے تعلق رکھتے ہیں۔ جو لڑکیاں نوکری پیشہ ہیں ان کی شادیوں میں مشکلات کم آرہی ہیں کیوں کہ سسرال والوں کو ان میں آمدنی کا ایک ذریعہ نظر آرہا ہوتا ہے۔ یہ بھی جہیز کی ایک صورت ہے جس کی جڑیں معاشرے میں مضبوط ہوتی جارہی ہیں۔ لڑکے کے والدین اپنے بیٹے کی پرورش اس کی تعلیم میں ہوئے خرچ کو نوکری پیشہ لڑکی لاکر وصول کرنا چاہتے ہیں۔ لڑکیوں کے والدین اپنی بیٹیوں کو سسرال میں خوش دیکھنے کیلئے حیثیت نہ رکھتے ہوئے بھی جہیز کا سارا سامان دینے کی کوشش کرتے ہیں اور نہ صرف کوشش کرتے ہیں بلکہ اسے پایہ تکمیل تک پہنچاتے ہیں۔ جہیز کے اس لمبے خرچ کو پورا کرنے کیلئے انہیں بینکوں سے، رشتے داروں سے قرض لینا پڑتا ہے جس کی وجہ سے ان کے آگے کی زندگی ان قرضوں کی قسطوں کو چکاتے ہوئے گزرتی ہے۔ وہ ان قسطوں کے بوجھ تلے دبے رہتے ہیں۔ جہیز کے رواج کو عام کرنے میں وہ لوگ زیادہ ذمہ دار ہیں جو سماج میں مالی اعتبار سے اچھی حیثیت رکھتے ہیں۔ جب ان امیر گھروں کی بچیوں کیلئے رشتہ آتے ہیں تو وہ ان بچیوں کے والدین سے کہتے ہیں کہ ہمیں جہیز میں کچھ نہیں چاہئے صرف لڑکی چاہئے، کیوں کہ انہیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ جہیز کی مانگ کریں نہ کریں، امیر والدین اپنی بیٹی کو خالی ہاتھ سسرال نہیں بھیجیں گے۔ ہمارے معاشرے میں دولت مند افراد جہیز کی رسم کو عام کرتے جارہے ہیں۔ یہ اپنی بچیوں کو اس قدر جہیز دیتے ہیں کہ دوسرے لوگ ان کی مثالیں پیش کرتے ہیں اور اس کے ذریعہ سے لڑکی والوں کو جہیز دینے کیلئے مجبور کرتے ہیں۔ مسلم معاشرے میں جہیز کا عام ہوتا رواج اس بات کی گواہی پیش کرتا ہے کہ آج ہم اپنے مذہب سے کتنے دور ہوتے جارہے ہیں، کتنی لاعلمی ہے ہمارے اندر، ہم نے مذہب کو صرف روزے اور نمازوں تک محدود کردیا ہے۔ اور باقی معاملات میں اپنی مرضی اختیار کرتے ہیں، دین کو بھول جاتے ہیں۔ دین اسلام جہیز کے بارے میں کیا کہتا ہے یہ جاننے کی کوشش تک نہیں کرتے یا جانتے ہیں تو اس کو اختیار نہیں کرنا چاہتے۔ یہاں یہ بات واضح کردینا ضروری ہے کہ اسلام میں جہیز کی کوئی گنجائش نہیں۔

کچھ لوگوں کو غلط فہمی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ان کے نکاح کے وقت جہیز دیا تھا اور وہ اس بات کو پیش کرکے جہیز کو جائز قرار دیتے ہیں جب کہ ایسا نہیں ہے۔ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ جب حضرت فاطمہ کا نکاح حضرت علی سے ہوا تو ان کے پاس اس طرح کا کوئی سامان نہیں تھا جواز دواجی زندگی کی شروعات کرنے میں مددگار ثابت ہوتا۔ حضرت علی کے پاس ایک تلوار تھی۔ انہوں نے وہ تلوار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دی اور بیچنے کو کہا تاکہ ازدواجی زندگی کی شروعات کیلئے سامان خرید سکیں۔ پیارے نبی نے وہ تلوار بیچ دی، جس سے ایک لوٹا ایک چٹائی اور کچھ برتن حضرت فاطمہ کے لئے خریدے۔ یہ جہیز نہیں تھا، کیوں کہ جہیز اسے کہتے ہیں جو ماں، باپ اپنی طرف سے اپنے مال سے اپنی بچیوں کو دیتے ہیں۔ والدین کو بچیوں کیلئے جہیز کا سامان اکٹھا کرنے میں اتنی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے کہ وہ مستقبل میں جائیداد کا وہ حصہ جو اللہ رب العزت نے بیٹیوں کیلئے مقرر فرمایا ہے، بیٹیوں کو نہیں دیتے ہیں ان کا کہنا ہوتا ہے کہ بیٹیوں کے جہیز میں ہم اتنا خرچ پہلے ہی کرچکے ہیں جو کہ جائیداد میں ان کو ملنے والے حصے سے بھی زیادہ تھا، اب مزید کسی اور حصے کی ضرورت نہیں۔ اس طرح کی دلیل پیش کرکے والدین بیٹیوں کو ان کے جائز حق سے محروم کردیتے ہیں۔ ایسے حالات میں جہیز سے متعلق اسلامی تعلیمات کو عام کرنے کی ضرورت ہے۔ اللہ رب العزت نے گھر کے اخراجات کو پورا کرنے کی ذمہ داری مرد کے کندھوں پر رکھی ہے اور عورت کی ذمہ داری ہے کہ وہ گھر سنبھالے۔ اگر یہ دونوں اپنی ذمہ داریوں کو بہ خوبی انجام دیتے ہیں تو گھر ایک گلشن کی مانند خوبصورت ہوجائے گا۔ اور ایسا تب ہی ممکن ہے جب معاشرہ جہیز کی لعنت سے پاک ہو۔ لڑکے اور لڑکی دونوں کے والدین اپنے فرائض اور حقوق سے اچھی طرح واقف ہوں۔ دولت مند افراد کو چاہئے کہ وہ اپنی بیٹیوں کی شادی میں اسلامی طریقہ اپنائیں، کیوں کہ معاشرے کے رسوخ دار، دولت مند لوگوں کے نقش قدم پر چلنا ہر زمانے کی ضرورت رہی ہے۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ ہمیں جہیز سے ہونے والے برے اثرات کو سمجھنے اور اس سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

سری لنکن صدر کا 2048 تک معیشت کی تعمیر نو کے لیے قومی پالیسی کا اعلان

سری لنکا کے صدر نے 2048 تک دیوالیہ معیشت کی تعمیر نو کے لیے ایک قومی پالیسی کا اعلان کیا ہے، عرب نیوز کے مطابق سری لنکن صدر رانیل وکرماسنگھے نے بدھ کو اعلان ایک ایسے وقت میں کیا ہے جب اشیائے خورونوش کی بڑھتی ہوئی قیمتوں اور قلت ملک کے لاکھوں شہریوں کی روزمرہ کی زندگی کو ایک جنگ بنا رہی ہے، 73 سالہ صدر رانیل وکرماسنگھے نے گذشتہ ماہ عہدہ سنبھالنے کے بعد اپنے پہلے پالیسی بیان میں اس منصوبے کا اعلان کیا ہے۔ ان کے پیشرو گوتابایا راجا پکشے ملک میں بدترین اقتصادی بحران کے باعث ہونے والے مظاہروں کے بعد ملک سے فرار ہوگئے تھے اور اپنا عہدہ چھوڑ دیا تھا۔

سری لنکا دیوالیہ ہوچکا ہے اور اس نے اپریل میں اپنے 51 ارب ڈالر کے غیر ملکی قرضوں کی ادائیگی معطل کردی تھی؛ کیونکہ افراط زر کی شرح میں مسلسل اضافہ ہورہا ہے۔ حکومتی اعداد وشمار کے مطابق افراط زر جولائی میں کھانے پینے کی اشیا میں 90.9 فیصد اضافے کے ساتھ ریکارڈ 60.8 فیصد تک بڑھ گئی۔ اپنی کابینہ کی اقتصادی پالیسی کا اعلان کرتے ہوئے رانیل وکرماسنگھے نے کہا کہ سری لنکا کو حالیہ تاریخ میں 'ایک ایسی صورت حال کا سامنا ہے جس کی مثال نہیں ملتی' اور وہ 'بڑے خطرے میں' ہے۔

انہوں نے پارلیمنٹ کو بتایا کہ 'ہم نے اس صورت حال کا غور سے جائزہ لیا ہے۔ اس کے حل کے لیے ہم اگلے 25 برسوں کے لیے قومی اقتصادی پالیسی تیار کررہے ہیں۔' 'اگر ہم قومی اقتصادی پالیسی کے ذریعے ملک، قوم اور معیشت کی تعمیر کریں تو 2048 تک جب ہم آزادی کی 100 ویں سالگرہ منائیں گے ہم ایک مکمل ترقی یافتہ ملک بن سکیں گے۔'

واضح رہے کہ اس منصوبے میں فوری طور پر ملک کے لاکھوں افراد کو کوئی ریلیف دینے پر توجہ نہیں دی گئی۔ (اے ایف پی)

عالمی بینک کا سری لنکا کو امداد دینے سے انکار

عالمی بینک نے سری لنکا کو مزید مالی امداد دینے انکار کردیا ہے، جب تک کہ معاشی مشکلات سے دوچار ملک بڑے پیمانے پر سٹرکچرل اصلاحات نہ متعارف کروائے۔ خبررساں ادارے اے ایف پی کے مطابق عالمی بینک نے کہا ہے کہ اگرچہ معاشی بحران کے سری لنکا کے عوام پر اثرات سے متعلق تشویش ہے؛ لیکن ضروری اصلاحات متعارف ہونے تک فنڈز نہیں دیے جائیں گے، عالمی بینک نے جاری بیان میں کہا ہے کہ معاشی پالیسی فریم ورک ترتیب ہونے تک سری لنکا کو مزید امداد دینے کا ارادہ نہیں ہے۔

بیان میں مزید کہا گیا ہے کہ ایسے اصلاحات کی ضرورت ہے جو معاشی استحکام لانے پر مرکوز ہوں اور ان تمام عوامل پر غور کیا جائے جو معاشی بحران کی وجہ بنے۔ عالمی بینک نے کہا ہے کہ موجودہ قرضوں میں سے ایک کروڑ 60 لاکھ ڈالر ادویات، کھانا بنانے کے لیے استعمال ہونے والی گیس اور اسکول میں بچوں کی خوراک کے لیے خرچ کیے جائیں گے۔

دوسری جانب سری لنکا کے عالمی مالیاتی فنڈ (آئی ایم ایف) کے ساتھ مذاکرات جاری ہیں تاہم اس تمام مرحلے کو مکمل ہونے میں کئی ماہ لگ سکتے ہیں۔ خیال رہے کہ سری لنکا کی حکومت نے اپنے 51 ارب ڈالر کے غیر ملکی قرضوں کے باعث خود کو دیوالیہ قرار دے دیا ہے۔ سری لنکا غیر ملکی زرمبادلہ کے ذخائر نہ ہونے کے باعث ضروری اشیاء بھی درآمد کرنے کے قابل نہیں ہے۔

پیٹرول پمپ کے باہر گاڑیوں اور موٹر سائیکلوں کی طویل قطاریں لگنا معمول بن گیا ہے تاہم شہریوں کو محدود مقدار میں پیٹرول مل رہا ہے جبکہ سرکاری اہلکاروں کو گھر سے کام کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

کولمبو کنزیومر پرائس انڈیکس کے جمعے کو جاری اعداد وشمار کے مطابق جولائی میں مہنگائی کی شرح 60.8 فیصد تک پہنچ گئی ہے جبکہ ڈالر کے مقابلے میں سری لنکن روپے کی قدر نصف سے زیادہ کم ہوچکی ہے۔

اقوام متحدہ کے ورلڈ فوڈ پروگرام کے مطابق چھ میں سے پانچ فیملیز ایسی ہیں جو کم معیار کا کھانا خریدنے پر مجبور ہیں، جنہیں تھوڑی خوراک میسر ہے جب کہ کچھ صورتوں میں دن کا ایک کھانا چھوڑنا پڑتا ہے۔ (اے ایف پی)

جمہوریت کی حفاظت دروپدی مرمو کی سب سے بڑی ذمہ داری

عبید اللہ ناصر

ملک کی پندرہویں صدر جمہوریہ کے طور پر محترمہ دروپدی مرمو کا انتخاب یقینی طور سے ایک انقلابی مرحلہ اور ہندوستان کی جمہوریت کا درخشاں پہلو ہے۔ اوڈیشہ کے میوربھنج ضلع جو ملک کا سب سے پسماندہ ضلع سمجھا جاتا ہے، اس ضلع کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئیں دروپدی کالج جانے والی گاؤں کی پہلی لڑکی تھیں، تعلیم مکمل کرنے کے بعد وہ ٹیچر بنیں۔ کچھ دنوں بعد سیاست میں قدم رکھا، اسی دوران آر ایس ایس سے بھی وابستہ ہوگئیں۔ میوربھنج ضلع کی ریرنگ پور نگر پنچایت کی رکن بنیں پھر دوبار ایم ایل اے منتخب ہوئیں۔ اوڈیشہ میں جب بیجو جنتا دل اور بی جے پی کی مخلوط حکومت بنی تو وہ اس میں بی جے پی کے کوٹے سے وزیر بنیں اور اور پھر جھارکھنڈ کی پہلی خاتون گورنر بنیں۔ اس طرح دیکھا جائے تو دروپدی مرمو کا ایک نگر پنچایت کی ممبر سے لے کر صدر جمہوریہ ہونے تک کا سفر بہت ہی حوصلہ بخش، مثالی اور ہماری جمہوریت کی کامیابی کا ایک جیتا جاگتا نمونہ بن گیا ہے۔

بی جے پی خاص کر وزیر اعظم نریندر مودی کا یہ صحیح معنوں میں ایک ماسٹر اسٹروک بھی کہا جا سکتا ہے جس سے اپوزیشن ایک بار پھر چاروں خانہ چت ہوگیا کیونکہ سیاسی مصلحت کے تحت بہت سی پارٹیوں نے بادل نخواستہ بھی دروپدی مرمو کا ساتھ دیا کیونکہ وہ آدیواسی طبقہ کو ناراض کرنے کا جوکھم نہیں اٹھا سکتی تھیں حالانکہ یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ بہت سی پارٹیوں اور بہت سے ووٹروں نے انفورسمنٹ ڈائریکٹوریٹ، سی بی آئی اور انکم ٹیکس محکمہ کے خوف میں بھی این ڈی اے کی اس امیدوار کو ووٹ دیا حالانکہ روز اول سے ہی ان کی کامیابی یقینی تھی، خاص کر شیوسینا میں پھوٹ اور جھارکھنڈ مکتی مورچہ نے جب ان کی حمایت کا اعلان کر دیا تھا تو کوئی شک بھی نہیں رہ گیا تھا، آخر میں تو حالات ایسے ہوگئے تھے کہ خود ممتا بنرجی بھی اپنے ہی پارٹی کے یشونت سنہا کی انتخابی مہم میں حصہ لینے سے کترانے لگی تھیں۔

ہندوستان میں صدر جمہوریہ کا عہدہ ایک آئینی عہدہ ہے، حکومت کے سارے احکامات اسی کے نام سے جاری ہوتے ہیں، وہ مسلح افواج کا سپریم کمانڈر رہوتا ہے لیکن حقیقی معنوں میں اس کے پاس کوئی اختیار نہیں ہوتا، وہ امریکہ کے صدر کی طرح انتظامیہ کا سربراہ نہیں ہوتا بلکہ ملکہ برطانیہ کی طرح صرف آئینی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ وزارتی کونسل کی صلاح سے ہی اپنا فرض منصبی ادا کر سکتا ہے۔ بس انتخابات کے بعد حکومت سازی خاص کر جب چناوی نتیجہ بالکل واضح نہ ہو، وہ کسی کو بھی حلف دلا کر اس کو ایوان میں اکثریت ثابت کرنے کا موقع دے سکتا ہے۔ اسی لیے اکثر صدر جمہوریہ کو وزیر اعظم کا ربر اسٹامپ کہا جاتا ہے، حالانکہ یہ تخلص اس عہدہ کی شان کے خلاف ہے۔ اور ایسا ہے بھی نہیں، پہلے صدر جمہوریہ ڈاکٹر راجندر پرساد سے وزیر اعظم نہرو کے اختلاف کے دستاویزی ثبوت بشکل خطوط موجود ہیں جو ان دونوں نے ہندو کوڈ بل کے سلسلہ میں لکھے تھے۔ سومناتھ مندر کے افتتاح میں ڈاکٹر راجندر پرساد کی شرکت کی خواہش کے بھی نہرو مخالف تھے، ان کا کہنا تھا ایک سیکولر ملک کے سربراہ کو کسی بھی مذہبی تقریب میں شریک نہیں ہونا چاہیے۔ دونوں میں اتنے اختلاف تھے کہ نہرو راجندر پرساد کو دوبارہ صدر جمہوریہ بھی نہیں بنانا چاہتے تھے، ان کی مرضی نہ ہونے کی بنا پر کانگریس ورکنگ کمیٹی کے زیادہ تر ممبران بھی راجندر پرساد کو دوبارہ صدر بنانے کے مخالف تھے لیکن مولانا آزاد اڑ گئے تو نہرو اور ورکنگ کمیٹی کے دوسرے ممبر ہی نہیں خود نائب صدر جمہوریہ ڈاکٹر رادھا کرشنن کو بھی خاموشی اختیار کرنی پڑی جو صدر جمہوریہ بننے کے خواہش مند تھے اور نہرو کی ان کو حمایت حاصل تھی۔ بعد میں چین کی جنگ اور کرشنا مینن کے کردار کو لے کر ڈاکٹر رادھا کرشنن اور نہرو میں ٹھن گئی تھی اور نہرو کو مینن سے استعفیٰ لینا پڑا تھا۔ گیانی ذیل سنگھ کانگریس میں خاص کر اندرا گاندھی کے وفادار سپاہی تھے، جب صدر جمہوریہ کے الیکشن کے لیے اندرا گاندھی نے انہیں کانگریس کا امیدوار بنایا تو ان کا یہ جملہ بہت مشہور ہوا تھا کہ اندرا جی کہیں تو میں سڑک پر جھاڑو لگانے کو بھی تیار ہوں لیکن آپریشن بلو اسٹار کے بعد وہ اندرا جی کی مرضی نہ ہونے کے باوجود ھرمندر صاحب پہنچ گئے تھے۔ انہی گیانی جی نے اندرا گاندھی کے قتل کے فوری بعد کانگریس پارلیمانی پارٹی کے باقاعدہ انتخاب کے بغیر ہی راجیو گاندھی کو وزیر اعظم مقرر کر دیا تھا بعد میں الیکشن ہوئے اور اب تک کی سب سے بڑی اکثریت لے کر راجیو گاندھی دوبارہ وزیر اعظم بنے لیکن جب انہوں نے پوسٹل ترمیمی بل تیار کیا، پارلیمنٹ سے منظوری بھی لے لی تو گیانی جی نے اس پر دستخط کرنے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ یہ عوام کے حق رازداری کے خلاف ہے جو آئین میں دیا گیا بنیادی حق ہے۔ گیانی جی کے اس انکار سے راجیو گاندھی کی حکومت ہل گئی تھی، حالانکہ اسے ایوان میں سب سے بڑی اکثریت حاصل تھی جو آج تک کسی وزیر اعظم کو نہیں ملی لیکن راجیو گاندھی نے جمہوری قدروں کی پاسداری کرتے ہوئے وہ بل واپس لے لیا، یہی نہیں گیانی جی پر تنقید کرنے والے اپنے وزیر کے کے تیواری کو کابینہ سے نکال بھی دیا تھا۔ گجرات فساد کو لے کر صدر جمہوریہ کے آر نرائنن نے وزیر اعظم اٹل بہاری واجپئی کو سخت خط لکھ کر کارروائی کی ہدایت دی تھی جس کے بعد واجپئی جی گاندھی نگر گئے اور نریندر مودی کو راج دھرم نبھانے کا اپدیش دیا تھا۔ ریاستوں میں صدر راج نافذ کرنے کو لے کر نرائنن اور کلام صاحب کے سخت رویہ سے کئی بار اٹل جی کی سرکار مشکلات میں پڑ چکی تھی۔ اس لیے یہ کہنا کہ صدر جمہوریہ محض ربر کی مہر ہوتا ہے مناسب نہیں۔

صدر جمہوریہ کسی بل یا واقعہ پر حکومت سے جواب طلب کر لے تو یہ حکومت پر ایک اخلاقی دباؤ ہوتا ہے بشرط یہ کہ حکومت کو اخلاقیات اور آئینی تقاضوں کا پاس ولحاظ ہو، وہ تکبر نہ دکھائے اور اسے اپنی انا کا مسئلہ نہ بنا لے۔

اس فہرست میں ایک دلچسپ کردار مرحوم صدر جمہوریہ فخر الدین علی احمد کا ہے جنہوں نے 1975 میں اندرا گاندھی کے ذریعہ ملک میں ایمرجنسی نافذ کرنے کے فرمان پر دستخط کیے تھے اور ایک جھٹکے میں عوام کے تمام آئینی اور جمہوری حقوق سلب کر لیے گئے تھے۔ اس زمانہ میں مشہور کارٹونسٹ کے آر لکشمن کا ایک کارٹون پوری دنیا میں مشہور ہوا تھا جس میں دکھایا گیا تھا کہ فخر الدین صاحب باتھ ٹب میں لیٹے لیٹے ایمرجنسی نافذ کرنے کے فرمان پر دستخط کرنے کے بعد افسر سے پوچھ رہے ہیں کہ کسی اور فرمان پر دستخط کروانا ہے کیا؟ ظاہر سی بات ہے کہ صدر جمہوریہ کی ذریعہ وزیر اعظم کی تابعداری کی یہ ایک مثال تھی لیکن یہاں ایک بات کا دھیان رکھنا ہوگا اور اس کے لیے فخر الدین صاحب کو شبہ کا فائدہ دیا جا سکتا ہے کہ اس وقت تک آئین میں اس طرح ایمرجنسی نافذ کرنے کا جواز موجود تھا جو مرار جی دیسائی کی قیادت میں بننے والی جنتا پارٹی کی حکومت نے آئین سے نکال دیا تھا۔

صدر جمہوریہ کے عہدہ کے لیے محترمہ دروپدی مرمو کی امیدواری کے اعلان کے بعد ہی یہ سوال زور شور سے اٹھایا جا رہا تھا کہ صدر جمہوریہ بننے کے بعد کیا وہ اپنے آدی واسی سماج کی کوئی خدمت کر سکیں گی، کیا وہ ان کے مسائل حل کر سکیں گی؟ جواب ہے نہیں، کیونکہ آئین کے مطابق اول تو وہ کسی ایک طبقہ کی نہیں بلکہ ہر ہندوستانی کی صدر ہیں اور سب کے مفاد اور حقوق کی حفاظت کرنا ان کا فرض اولین ہے، دوسرے یہ کام ملک کے سربراہ کا نہیں ملک کی انتظامیہ کے سربراہ یعنی وزیر اعظم کا ہے۔ صدر جمہوریہ کا فرض اولین ہے کہ وہ عوام کے آئینی، جمہوری اور انسانی حقوق کی حفاظت کریں۔ افسوس کی بات ہے کہ سبکدوش صدر جمہوریہ رام ناتھ کووند جی اس فرض کی ادائیگی میں بری طرح ناکام رہے تھے۔ شہریت ترمیمی قانون جموں وکشمیر سے دفعہ 370 کا خاتمہ، زرعی ترمیمی قانون کھلے عام آئینی جوازوں سے الگ ہٹ کر محض ایوان میں اکثریت کے بل منظور کرا لیے گئے اور رام ناتھ کووند جی نے بنا پلک جھپکائے انہیں راتوں رات منظوری دے دی، حکومت سے کوئی وضاحت نہیں طلب کی، کوئی سوال تک نہیں کیا۔ ملک کے سیاسی، سماجی اور معاشی حالات کی طرف سے مسلسل چشم پوشی کرتے رہے اور ربر کی مہر ہونے کے الزام کو سچ ثابت کرتے رہے۔

دروپدی مرمو جی ہندوستان کی آئینی جمہوریت کی تاریخ کے ایک سنگین موڑ پر ایسے عہدہ پر فائز ہوئی ہیں جہاں آئینی جمہوریت کی حفاظت ہی ان کی سب سے بڑی ذمہ داری ہے۔ ان سے کوئی سماج، کوئی طبقہ، یہاں تک کی آدی واسی طبقہ بھی کسی فائدہ کی امید نہیں کرتا لیکن یہ امید ضرور کرتا ہے کہ وہ سماج کے ہر طبقہ کے آئینی، جمہوری اور انسانی حقوق کی حفاظت کریں گی اور جس آئینی جمہوریت نے انہیں اس مقام تک پہنچایا ہے، اس کے سامنے جو بھی خطرہ آئے گا اس کے خلاف جو بھی سازش کی جائے گی وہ اس کے سامنے سینہ سپر ہو جائیں گی۔ آدی واسیوں کے جل جنگل زمین پر جس کارپوریٹ کی للچائی نظریں لگی ہیں، کیا وہ ان کی حفاظت کر پائیں گی، کیونکہ حکومت تو کارپوریٹ کے ہاتھوں پورا ملک فروخت کر دینے کے در پے ہے۔ نکسلیوں کی سرکوبی کے نام پر آدی واسیوں ہی نہیں، ان کی حمایت کرنے والوں تک پر جو مظالم حکومت کر رہی ہے، کیا وہ اپنے پیش رو کی طرح ہی اس پر خاموش رہیں گی؟ آئین ہندوستان کو ایک سیکولر سوشلسٹ ملک قرار دیتا ہے، کیا وہ ہندوستان کا یہ قرارنامہ محفوظ رکھ پائیں گی؟ یہ اور ایسے ہی کئی سوال اور کئی مسائل بطور صدر جمہوریہ محترمہ دروپدی مرمو کے سامنے آئیں گے اور ان کے جواب اور حل پر ہی تاریخ میں ان کے مقام کا تعین ہوگا۔

مسجد خواجہ محمود کی شہادت حکومت کا جرم عظیم ہے/ مسلم پرسنل بورڈ

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے جنرل سکریٹری مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے اپنے پریس نوٹ میں کہا کہ اس بات پر جس قدر بھی افسوس کیا جائے کم ہے کہ تلنگانہ حکومت نے شہر حیدرآباد سے متصل شمس آباد میں ''مسجد خواجہ محمود'' کو راتوں رات شہید کر دیا، یہ نہایت افسوس ناک اور مسلمانوں کے لئے ناقابل برداشت حرکت ہے، ایک طرف حکومت اقلیتوں کی ہمدردی کا دعویٰ کرتی ہے اور دوسری طرف تلنگانہ میں مسلمانوں کے مقدس مذہبی مقامات کے لئے اتر پردیش کا بلڈوزر کلچر نافذ کرتی ہے اور مسجد شہید کر دیتی ہے، آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ اس کی سخت مذمت کرتی ہے اور حکومت سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ بلا تاخیر یہاں دوبارہ مسجد کی تعمیر کرے، اسی طرح سکریٹریٹ کی شہید کردہ مسجد کو بھی جلد سے جلد تعمیر کرے اور جن سرکاری افسروں نے اس قسم کا نفرت انگیز، ظالمانہ اور جانبدارانہ قدم اٹھایا ہے، ان کے خلاف کارروائی کرے، مسلمانوں کو مسجدیں اپنے گھروں سے بھی زیادہ عزیز ہیں؛ کیوں کہ یہ اللہ کے گھر ہیں؛ اس لئے وہ ہرگز ایسی مذموم حرکت کو برداشت نہیں کر سکتے، مولانا رحمانی نے مسلمانوں سے اپیل کی ہے کہ اس سلسلہ میں ہماری لڑائی حکومت سے ہے نہ کہ برادران وطن سے؛ اس لئے بہر صورت امن وامان کو قائم رکھیں اور مشتعل ہونے سے بچیں، اگر آپ مشتعل ہوئے تو اس کا فائدہ فرقہ پرست طاقتوں کو پہنچے گا۔

دعاء مغفرت

مولانا مفتی نشاط احمد صاحب جمشید پور سابق رفیق کار امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ ورکن ارباب حل وعقد امارت شرعیہ (امام وخطیب مسجد رحمان جمشید پور) کے بڑے فرزند محمد انس جو دہلی میں زیر علاج تھے ان کا مورخہ ۵/اگست ۲۰۲۲ء روز جمعہ انتقال ہوگیا، انا للہ وانا الیہ راجعون، تجہیز وتدفین مفتی صاحب کے آبائی وطن ڈھبری کپسیا، مینا بازار ضلع نالندہ میں ہوئی، نیز المعہد العالی امارت شرعیہ پٹنہ کے انگریزی کے استاد محترم جناب ماسٹر سید نصر الحق صاحب کا مورخہ ۴/اگست ۲۰۲۲ء روز جمعرات بارہ بجے کے قریب انتقال ہوگیا انا للہ وانا الیہ راجعون وہ دینی مزاج کے حامل سادگی پسند تھے، قوم وملت کی فلاح وترقی کے لئے فکر مند رہتے نماز جنازہ بعد نماز مغرب نزد قربان مسجد عیسیٰ پور ادا کی گئی اور تدفین حاجی حرمین قبرستان میں ہوئی، اللہ تعالی سے دعا ہے کہ ان مرحومین کی بال بال مغفرت فرما کر جنت الفردوس میں اعلی مقام عطا فرمائے، آمین یارب العالمین، قارئین نقیب سے بھی دعاء مغفرت کی درخواست ہے۔

عدالت میں اردو لفظ 'انقلاب' موضوع بحث

رضوان احمد

چند ہفتے پہلے دہلی ہائی کورٹ میں اردو لفظ 'انقلاب' اور اس کے معانی زیر بحث تھے۔ عدالت میں لفظ 'انقلاب' اس بات کا تعین کرنے کے لیے موضوع بحث رہا کہ کیا طالب علم کارکن عمر خالد، جو دہلی قتل عام کے سلسلے میں جیل میں بند ہیں، کو ضمانت دی جانی چاہئے، یا نہیں۔ ججوں نے اپنے استدلالی بحث میں کہا کہ لفظ 'انقلاب' کے بنیادی مفہوم میں تشدد کا عنصر شامل ہے۔ اگر ایسا نہیں تو ان انقلابات میں جن میں خوں ریزی نہیں ہوتی ان کے لیے پر امن 'بلڈلیس' کی صفت کیوں استعمال کی جاتی۔ ججوں کے طریقہ استدلال سے یہ واضح ہوگیا کہ زبان اور اس کی لسانی ساخت اس مقدمے کے کلیدی عناصر ہیں۔ اسی طرح کا ایک واقعہ امریکہ کے شہر لاس اینجلس میں، 1984 میں پیش آیا، جہاں پولیس نے 'پین ایم' کی پروازوں کو بم کی جھوٹی دھمکیاں دینے کے الزام میں پال پرنزیولی نامی شخص پر مقدمہ دائر کردیا، پولیس نے کال پر دھمکیاں دینے والے کی ریکارڈنگ سننے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا تھا کہ ٹیپ میں موجود شخص کی زبان مشرقی ساحلی لہجہ کی لسانی خصوصیات کی حامل تھی اور مسٹر پرنزیولی کا لہجہ بھی وہی تھا، جن تعلق شہر نیویارک سے تھا۔

چند ماہ بعد، ججوں نے مشہور ماہر لسانیات ولیم لیوف کو ایک ماہر گواہ کے طور پر بلایا۔ پرنزیولی کے لہجے اور ٹیپ میں موجود آواز کی لسانی خصوصیات کے باریک تجزیے کی بنیاد پر، لیوف نے ثابت کیا کہ ٹیپ میں موجود شخص نیویارک کا باشندہ نہیں تھا۔ انھوں نے بتایا کہ ٹیپ میں موجود شخص کا لہجہ بوسٹن کے کسی باشندے کی لسانی خصوصیات رکھتا ہے۔ لیوف کی گواہی کے بعد پال پرنزیولی کو بری کردیا گیا۔ عمر خالد کے مقدمے میں لسانی سوال یہ ہے کہ کیا اردو لفظ 'انقلاب' کے معنی میں تشدد کا مفہوم شامل ہے؟ تاریخی اعتبار سے انقلاب کا لفظ اردو میں عربی سے آیا ہے جہاں اس کا مطلب تبدیل کرنا ہے۔ اردو کی مستند لغت فیروز اللغات کے مطابق لفظ انقلاب کا یہ معنی اردو میں بھی برقرار ہے۔ لغت میں اس لفظ کے کئی معانی درج ہیں جن میں پہلا معنی تغییر، تبدل ہی ہے۔ دوسرا معنی، جو در اصل ایک استعاراتی توسیع ہے، ایک پرانے سیاسی یا اقتصادی نظام کو نئے نظام سے بدلنا ہے، جو کہ ایک پر امن منتقلی بھی ہوسکتی ہے اور پرتشدد فوجی بغاوت بھی ہوسکتی ہے۔ اردو میں پہلا معنی دوسرے سے زیادہ عام ہے۔ اور پرتشدد منتقلی کا معنی ایک محدود سیاق وسباق میں ہی مستعمل ہے۔

میر تقی میر (1723-1810) جنھیں کلاسیکی اردو شاعری کا سب سے بڑا شاعر سمجھا جاتا ہے، ذیل کے شعر میں لفظ انقلاب کو تبدیلی کے معنی میں استعمال کرتے ہیں۔

شاید کہ قلب یار بھی ٹک اس طرف پھرے میں منتظر زمانے کے ہوں انقلاب کا

یہاں میر تقی میر نے لفظ انقلاب کا استعمال اپنے محبوب کے دل اور زمانے کی تبدیلی کے معنی میں کیا ہے۔ اسی طرح فلسفی شاعر محمد اقبال اس دنیا میں بنی نوع انسان کے کردار سے متعلق ہمارے فکر میں داخلی تبدیلی کا حوالہ دینے کے لیے لفظ انقلاب کا استعمال کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں:

تری خودی میں اگر انقلاب ہو پیدا عجب نہیں ہے کہ یہ چار سو بدل جائے

اقبال خودی میں انقلاب، یعنی تبدیلی کا مطالبہ کررہے ہیں، جس کی تعریف خودشناسی کے اعلی ترین درجہ کے طور پر کی گئی ہے، جہاں ایک انسان کی رسائی ممکن ہے۔ اور خودی کے اس انقلاب سے بڑے پیمانے پر معاشرے میں تبدیلی آئے گی۔ یہاں سیاق وسباق واضح طور پر دوسرا معنی یعنی سیاسی نظام کو پرامن یا بزور طاقت بدلنا کی ہرگز اجازت نہیں دیتا۔ لفظ انقلاب کو رگھوپتی سہائے، جنھیں ادبی دنیا میں فراق گورکھپوری کے نام سے جانا جاتا ہے، تبدیلی کے معنی ہی استعمال کرتے ہیں۔

ترے غم کی عمر دراز میں کئی انقلاب ہوئے مگر وہی طول شام فراق ہے، وہی انتظار سحر بھی ہے

یہاں فراق نے اس درد اور غم کو بیان کیا ہے جو عاشق کو اپنے محبوب سے جدائی کی وجہ سے برداشت کرنا پڑتا ہے۔ فراق کہتے ہیں کہ اگرچہ جدائی کے دوران بہت سی چیزیں انقلاب سے گزریں، یعنی تبدیل ہوئیں لیکن محبوب سے دور رہنے کی ناقابل برداشت طوالت برقرار رہی۔ عمر خالد کے وکیل تردیپ پائس نے عمومی مفہوم کی بنیاد پر دلیل دی کہ اس لفظ کا استعمال تشدد کا مطالبہ نہیں کرتا ہے۔ اس لفظ کا سادہ مطلب ہے تبدیلی، اور اسی تناظر میں عمر نے اس کا استعمال کیا ہے۔ عمر خالد سی۔اے۔اے قانون کو واپس لینے کا مطالبہ کر رہے تھے، اور ان کی نظر میں یہ بھی ایک انقلاب ہے۔ اردو میں، قانون کی واپسی کے مطالبے کو ایک انقلاب کے طور پر بھی بیان کیا جاسکتا ہے، جیسا کہ پائس نے اس پر اپنی دلیل پیش کی۔

جسٹس مردل نے جواب میں ایک سوال کر ڈالا، کیا آپ حکومت کی دستبرداری کا مطالبہ کر رہے تھے؟ اگر ہاں، تو اس میں طاقت کے استعمال کا عنصر شامل ہے۔ انقلاب کے دوسرے مفہوم کا تعلق بھی اس کے پہلے معنی سے ہے کہ اس میں بھی تبدیلی کا معنی شامل ہے خواہ یہ تبدیلی پرامن طریقے سے ہو یا بزور طاقت۔ سیاسی نظام کی زبردست تبدیلی کا مفہوم برطانوی راج کے خلاف ہندوستانی آزادی کی جدوجہد کے دوران نمایاں ہوا۔ بہت سے ہندوستانی انقلابی جیسے بھگت سنگھ اور کھدی رام بوس انقلاب کے اس مفہوم میں یقین رکھتے تھے۔ مہاتما گاندھی اور ان کے رفقا انقلاب کے جس معنی میں یقین رکھتے تھے اس میں بزور طاقت نظام حکم کی تبدیلی شامل نہیں تھا۔ انگریز راج کے خلاف جدوجہد کے سیاق وسباق سے ہٹ کر لفظ انقلاب میں طاقت یا تشدد کا عنصر شامل نہیں ہے۔ اردو ادب میں اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ بہت سے شاعروں، خاص طور پر ترقی پسند مصنفین کی انجمن سے وابستہ لوگوں نے بھی انقلاب کا مطالبہ کیا، جس کا مطلب ظالمانہ سیاسی، معاشی اور سماجی نظام کی تبدیلی تھی، جس میں حکومت کا تختہ پلٹنا کبھی شامل نہیں تھا۔ کچھ مثالوں پر غور کریں: علی سردار جعفری (1913-2000) انجمن ترقی پسند مصنفین کی ایک بلند پایہ شخصیت تھے۔ وہ 'اٹھو' کے عنوان سے اپنی ایک نظم میں۔ ہندوستان کے مختلف حصوں سے تعلق رکھنے والے نوجوانوں، کسانوں اور مزدوروں سے غلامی اور ناانصافی کے خلاف صف آرا ہونے کی اپیل کرتے ہیں۔ اور وہ انھیں بتاتے ہیں کہ طلوع آفتاب کی طرح انقلاب کا جھنڈا ابھی کھل چکا ہے:

اٹھو کھل گیا پرچمِ انقلاب نکلتا ہے جس طرح سے آفتاب

آخر میں اختر پیامی کی شاعری (1931-2013) پر غور کریں: اس نظم میں وہ اس بات کا اعلان کرتے ہیں کہ ناانصافی اور جبر کا موجودہ نظام اپنی آخری سانسیں لے رہا ہے اور یہ کہ انقلاب آچکا ہے۔

چھوٹ رہی ہے نبض ہستی آرہا ہے انقلاب اٹھ رہا ہے آج فرسودہ عقائد کا سہاگ

لہذا اردو میں لفظ انقلاب کے متعدد معنی ہیں جن میں کسی کی سوچ اور رویوں میں تبدیلی سے لے کر پرامن یا بزور طاقت سماجی تبدیلی تک کے معانی شامل ہیں۔ بزور طاقت لفظ انقلاب کا مفہوم جیسا کہ ابھی میں نے ذکر کیا، نوآبادیاتی حکمرانی کے خلاف جدوجہد کے مخصوص تناظر میں محدود ہے جب کہ تبدیلی کے معنی میں لفظ انقلاب کا وسیع مفہوم نثر اور نظم دونوں میں کافی وسیع ہے۔ نثر میں اس کی مثال صنعتی انقلاب جیسی تراکیب میں ملتی ہیں، جس کے بارے میں کوئی بھی یہ دعوی نہیں کرے گا کہ اس میں تشدد کا عنصر شامل ہے۔ لہذا عدالت کا صرف ایک معنی پر اصرار، انصاف کے اسقاط کا امکان رکھتا ہے کیوں کہ اردو بولنے والے لفظ انقلاب کو اس کے وسیع معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔ انصاف کی حصول یابی کا انحصار جب کسی لسانی مسئلے پر ہو تو انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ لفظ کو اس کے سماجی، لسانی اور تاریخی سیاق وسباق میں صحیح طریقے سے سمجھا جائے۔ اور ماہرین لسانیات الفاظ کی سماجی زندگی اور معاشرتی رموز کو اچھی طرح جانتے اور پہچانتے ہیں۔

وزارت سیاحت کے دلچسپ اعداد وشمار

عبدالماجد نظامی

حال ہی میں لوک سبھا نے وزارت سیر وسیاحت کے کچھ دلچسپ اعداد وشمار جاری کیے ہیں۔ وزارت سیاحت کے ان اعداد و شمار کے مطابق دنیا بھر میں محبت و وفاداری کی علامت سمجھی جانے والی عمارت تاج محل کو یہ شرف حاصل رہا ہے کہ اس کی زیارت کرنے والوں کی تعداد سب سے زیادہ رہی ہے۔ شہنشاہ شاہجہاں اور ملکہ ممتاز بیگم کی محبت کو لازوال بنانے والی اس عمارت کو ہی یہ امتیاز بھی حاصل رہا ہے کہ یہ عمارت ہندوستان کے تمام آثار قدیمہ کے مقابلہ میں سب سے زیادہ کمائی کرنے میں کامیاب رہی ہے۔ سرکاری اعداد وشمار کے مطابق تاج محل نے دہلی کے لال قلعہ کے مقابلہ پانچ گنا اور تمل ناڈو کی مالا پورم عمارتوں اور بھونیشور کے سن ٹمپل کے مقابلہ دس گنا زیادہ آمدنی حاصل کی ہے۔ کووڈ-19 کی وجہ سے سیاحتی مقامات کی زیارت پر جو پابندیاں عائد کی گئی تھیں، ان کی بناء پر گرچہ سیاحوں نے ان مقامات کا رخ کرنا بند کردیا تھا لیکن اس کے باوجود مالی سال 2022 میں تاج محل نے 25 کروڑ کی آمدنی حاصل کی جو کہ مالی سال 2020 کے مقابلہ میں 73% کم ہے۔ ان اعداد وشمار کو پڑھتے وقت اس بات کا دھیان رکھنا بھی ضروری ہے کہ مالی سال 2022 کی اس آمدنی کا بیشتر حصہ ہندوستانی سیاحوں کی زیارت کے نتیجہ میں جمع کیا گیا ہے کیونکہ کووڈ کی پابندیوں کی وجہ سے غیر ملکی سیاحوں نے ہندوستان کے سیاحتی مقامات کا رخ نہیں کیا جس کا سیدھا اثر تاج محل پر بھی پڑا۔ کووڈ سے قبل تقریباً 9 لاکھ سیاح ہندوستان کا رخ کرتے تھے جو سال 2021 میں گھٹ کر ایک لاکھ تک رہ گئے۔ البتہ اب جب کہ کووڈ کا اثر ہلکا ہوا ہے اور سیاحوں کی کھیپ نے دنیا کے الگ الگ حصوں کا رخ کرنا شروع کیا ہے تو ہندوستان کی جانب بھی ان کی توجہ بڑھ رہی ہے اور تازہ اعداد وشمار کے مطابق مئی 2022 تک 4 لاکھ سیاحوں نے ہندوستان کی زیارت کی ہے۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ سیاحوں کی آمد میں مستقل اضافہ ہو رہا ہے۔ سرکاری اعداد وشمار کے مطابق ہر سال 70 سے 80 لاکھ سیاح لازوال محبت کی شاندار علامت تاج محل کا رخ کرتے ہیں جن میں سے 8 لاکھ سے زیادہ زائرین بیرون ملک سے تشریف لاتے ہیں اور شاہجہاں وممتاز بیگم کی محبت و وفاداری کو تہہ دل سے سلام وتہنیت پیش کرتے ہیں۔ کووڈ سے قبل کے ریکارڈ کو اگر پیش نظر رکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ نارمل حالات میں ہر سال مقامی لوگوں کی زیارت سے 40 کروڑ اور بیرون ممالک کے سیاحوں سے 110 کروڑ کی آمدنی تاج محل حاصل کرتا ہے۔ اس سال تاج محل سے 25 کروڑ کی جو آمدنی حاصل ہوئی ہے، وہ آرکیالوجیکل سروے آف انڈیا کی نگرانی میں موجود تمام 144 عمارتوں کے مقابلہ میں سب سے زیادہ ہے۔ یہاں تک تو اعداد وشمار پیش کرنا مطلوب تھا تاکہ ہمارے قارئین کو سرسری طور پر یہ اندازہ ہوسکے کہ سیاحت سے لگ بھگ تیس ارب ڈالر کی سالانہ آمدنی (2019 کے اعداد و شمار کے مطابق) جو ہندوستان کو حاصل ہوتی ہے، اس میں اکیلے تاج محل کا حصہ کس قدر ہوتا ہے۔ لیکن اعداد وشمار سے ذرا الگ ہوکر غور کیجیے کہ اس ملک میں جہاں ہر روز مغل تاریخ اور مغلیہ آثار کے خلاف زہر افشانی ہوتی رہتی ہے اور جس ملک میں ایک خاص طبقہ کو مغل کے نام پر گالیاں دی جاتی ہیں اور انہیں بے حیثیت بنانے اور سماج کے حاشیہ پر ڈالنے کی شب وروز کوشش ہوتی ہے، جس کوشش میں حکمراں طبقہ کے اعلیٰ ترین عہدیداران اور وزراء تک شامل ہوتے ہیں، آخر اس ملک میں مغلوں کے ہاتھوں بنی عمارتوں میں صرف بیرونی ممالک کے سیاحوں کی ہی نہیں بلکہ مقامی زائرین کی بھی دلچسپی اس قدر کیوں ہوتی ہے؟ جس عمارت کی تاریخی حیثیت بدلنے کی جی توڑ کوشش کی جاتی ہے اور محبت کی جس علامت پر یہ ظالمانہ الزام تک عائد کیا جاتا ہے کہ وہ کبھی تاجو مہالے ہوا کرتا تھا اور مغلوں نے اپنے عہد حکومت میں اس ہندو عمارت پر قابض ہوکر اس کی اصل ہیئت اور شناخت بدل دی تھی، آخر اس پروپیگنڈہ سے متاثر ہوکر لوگ اس کا رخ کرنا کیوں نہیں چھوڑتے؟ اس کا صرف ایک ہی معقول جواب نظر آتا ہے کہ محبت میں ایک خاص قسم کی کشش ہوتی ہے جو افسردہ دلوں میں بھی زندگی کی امید پیدا کردیتی ہے۔ شاید ہندوستان کے موجودہ ماحول سے جہاں ہر طرف نفرت وتشدد کا بسیرا ہوگیا ہے، لوگ اوب چکے ہیں۔ ہندوستان کا سماج جو ہمیشہ محبت والفت اور رواداری وغمگساری کا آئینہ ہوا کرتا تھا اور جس میں جبراً نفرت وعداوت کے الاؤ روشن کیے گئے ہیں، وہ سماج ہزار کوششوں کے باوجود محبت کی فطرت سے عاری نہیں ہوا ہے اور آج بھی جب وہ اپنے گرد وپیش میں پھیلی نفرت کی کالی سیاہ رات سے خوف ودہشت محسوس کرتے ہیں اور کسی ایسی وادی الفت کا پتہ ڈھونڈتے ہیں جہاں انسانیت مجسم صورت میں نظر آتی ہو اور جس مقام پر محبت کے نغمے گونجتے ہوں تو انہیں سترہویں صدی میں قائم ہونے والا زندہ جاوید شاہکار تاج محل ہی نظر آتا ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ نفرت کے تاجروں کی بولی سے گرچہ چند بھولے بھالے لوگ گمراہ ہوجائیں اور وہ اپنی فطری انسانیت اور صفت رحم وکرم سے دور ہوجائیں لیکن انسانوں کی عام آبادی کبھی نفرت سے متاثر نہیں ہوتی ہے۔ ان میں خدائے واحد کے ذریعہ ودیعت شدہ فطری محبت کا اثر ہر حال میں زندہ رہتا ہے اور صحیح وقت آنے پر ان کی انسانیت جاگ اٹھتی ہے اور وہ نفرت وبیہودگی کی تمام آلائشوں سے خود کو پاک کرکے محبت کی آغوش میں سمٹ جاتے ہیں۔ تاج محل کی آمدنی کے اعداد وشمار نے ایک بار پھر ہندوستانیوں کو للکارا ہے کہ وہ اپنی اصل سرشت کی طرف لوٹ آئیں اور برادر کشی کی تہذیب کو خیر باد کہہ دیں۔ اس میں نفرت کے ان تاجروں کے لیے بھی پیغام موجود ہے جو ہندوستانیوں کو الگ الگ نام پر مختلف خانوں میں تقسیم کرکے اپنی حکومت واقتدار کا کھیل کھیلتے رہتے ہیں اور خلق خدا کو خاک وخون میں تڑپا کر خوش ہوتے ہیں۔ ان کے لیے پتھروں کی شکل میں موجود محبت کی علامت تاج محل یہ پیغام پیش کررہا ہے کہ دیدہ عبرت نگاہ ہو تو دیکھو اور سمجھو کہ محبت کو کبھی زوال نہیں ہوتا جبکہ نفرت کی دنیا خواہ کتنی عظیم کیوں نہ بن جائے، ایک دن صفحہ ہستی سے مٹ جانا اور تاریخ کے اوراق میں ایک بدنما داغ بن کر باقی رہنے کے علاوہ اس کا کچھ بھی مقدر نہیں ہوتا۔ اس میں ہم عام ہندوستانیوں کی ایک سچی تصویر بھی جھلکتی ہے کہ ہماری انسانیت ابھی زندہ ہے۔ ہم آج بھی محبت کرنے والے لوگ ہیں۔ نفرت کے گھونٹ ہر روز ہمیں پلائے جاتے ہیں لیکن ہماری طبیعت اس کو قبول نہیں کرتی ہے۔ ہماری جواں محبت کی حامل اسی فطرت کے صدقہ یہ ملک ہمیشہ ترقی وخیرسگالی کی راہ پر گامزن رہے گا اور نفرت کی تہذیب کو ایک دن شکست فاش ملے گی۔

جنگ یمامہ میں مسلمانوں کی جرأت ایمانی

شاہ بلیغ الدین

حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد ہی جو سب سے بڑا فتنہ کھڑا ہوا وہ اسلام لا کر پلٹ جانے والوں کا فتنہ تھا، ان میں بنو حنیفہ سب سے آگے تھے، ان کی تعداد بھی زیادہ تھی اور ان کے پاس مال واسباب بھی خوب تھا، اس لئے سارے عرب میں مرتدین کی کوئی بغاوت اتنی خطرناک نہیں تھی جتنی مسیلمہ کذاب کی، جب حضرت عکرمہ اور حضرت شرح بیل بن حنسہ سے کام نہ بنا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت خالد بن ولید کو خاص طور پر اس مہم کے لئے نامزد فرمایا، احتیاط کا یہ تقاضہ تھا کہ اسلامی لشکر کی حفاظت کا زیادہ سے زیادہ سامان کیا جائے، چنانچہ حضرت سلیطہ کو بھی کمک دے کر روانہ کیا گیا، انہیں حکم ملا کہ ’’خالد کے لشکر کے پیچھے پیچھے رہو اور پوری طرح چوکس رہنا تا کہ دشمن مسلمانوں کے پیچھے سے حملہ نہ کر سکے‘‘۔

وادیٔ ریاض میں عقرباء کے مقام پر مسیلمہ اور حضرت خالد کا مقابلہ ہوا، اہل یمامہ کے پاس بہترین ہتھیار تھے، جس میدان جنگ کا انہوں انتخاب کیا تھا اس کے چپے چپے سے وہ خوب واقف تھے، ان کے مورچے بنے ہوئے تے اور انہیں معلوم تھا کہ مسلمانوں کو گھیرے میں لینے کے لئے کس طرف دھکیلنا بہتر ہوگا۔

حضرت خالد نے بطاح کے مقام پر کچھ دیر رک کر اپنی فوج کا معائنہ کیا کچھ ہدایات دیں اور آگے بڑھ گئے۔

مسیلمہ کا ایک ہراول دستہ جو شب خون مارنے نکلا تھا، یمامہ کی گھاٹی کے پاس پکڑا گیا، اس جھڑپ میں مُجّاعہ مسلمانوں کے ہاتھ آیا جسے چھڑانے کے لئے اہل یمامہ بڑے بے قرار تھے، مسلمانوں کا علم عبداللہ بن حفص کے پاس تھا، ادھر زید بن خطاب اور ابو حذیفہ بڑھ بڑھ کر مسلمانوں کو لڑا رہے تھے، ادھر محکم اور رجالی مسیلمہ کے دو بڑے جنرل اپنا سارا زور اس بات پر صرف کر رہے تھے کہ ان کو فوجیں جلد سے جلد حضرت خالد بن ولید کے خیمے تک پہنچ جائیں کیونکہ مُجّاعہ یہیں قید تھا، مسیلمہ کا حکم تھا کہ ’’یمامہ کے اس سردار کو بہرصورت مسلمانوں کی قید سے چھڑالایا جائے‘‘۔

لڑائی زوروں پر تھی کبھی مسلمان اہل یمامہ پر بھاری نظر آئے کبھی مسیلمہ کی فوج مسلمانوں کو ان کے خیموں تک دھکیل دیتی، ایک ایسے ہی معرکے میں دشمن حضرت خالد بن ولید کے خیمے تک پہنچ گئے، مُجّاعہ ان کی آنکھوں کے سامنے تھا چاہتے تھے کہ اس کی رسیاں کاٹ کر چھڑالے جائیں کہ حضرت خالد اس موقع پر پہنچ گئے، خالد سیف اللہ تھے، اہل یمامہ ان کے نام ہی سے خوف کھاتے تھے، جب انہوں نے یا محمد کا نعرہ لگایا تو دشمن کی یہ جھجک حضرت خالد کے لئے کافی تھی، زید بن خطاب، ثابت بن قیس، ابودجانہ کو لے کر انہوں نے جوابی حملہ کیا اور اس زور شور سے کہ دشمن دبنے لگا، جان یا ان کا معاملہ تھا، اللہ کے سپاہیوں نے بڑھ چڑھ کر جان کی بازی لگادی، ثابت بن قیس پکارے کہ ’’مسلمانو! تم اللہ والے ہو اور یہ شیطان کے پیرو، غلبہ اللہ والوں کے لئے ہے، آؤ میرے ساتھ دیکھو میں کیسا لڑتا ہوں‘‘ اور مسلمانوں نے دیکھا کیا اللہ کا یہ سپاہی یوں دشمنوں پر ٹوٹ پڑا جیسے بجلی ٹوٹتی ہے۔

ادھر ابو حذیفہ نے پکارا کہ ’’اے قرآن والو! اپنے عمل سے قرآن کو زینت دو اور اپنے عمل سے قرآن کو زینت دینے کے لئے جان کی بازی لگادی، بنوحنیفہ کے ایک بہت بڑے گروہ نے انہیں گھیر لیا، یہاں کیا دیر تھی، چاروں طرف تلوار مارتے تھے، بھپر کر جب بھی پینترا بدلتے دشمن دہشت سے گر پڑتے، یوں اسلامی لشکر ان جیالوں کی قوت بازو کے بل پر آہستہ آہستہ بڑھنے لگا، لیکن بڑی بھاری قیمت پر اور حذیفہ شہید ہوئے۔

اب حضرت خالد نے اعلان کیا ’’ہر قبیلہ الگ الگ ہو کر لڑے دیکھیں آج کون دشمن پر پہلے قابو پاتا ہے‘‘

جنگ کی بھٹی بری طرح سلگ گئی اور مسلمانوں نے دشمن کو تلوار کی نوک پر دھر لیا ایسے کہ بنوحنیفہ کا کس بل جواب دے گیا۔ حضرت خالد نے دیکھا جنگ کا پانسہ پلٹ رہا ہے تو اپنے خاص دستے کو حکم دیا کہ ’’تیزی سے میرے ساتھ آگے بڑھو! دیکھتے رہنا کہ کوئی مجھ پر پیچھے سے وار نہ کرے‘‘

اور اب جو سیف اللہ کے جوہر کھلے تو دشمن مبہوت ہو گیا، خالد دائیں بائیں، ہاتھ چلاتے آندھی کی طرح آگے بڑھے، زبان پر رجز جاری تھا کہ ’’میں سرداروں کا فرزند ہوں، مقابل پر جب میری تلوار اٹھتی ہے، خوں فشاں ہو جاتی ہے، وہ چاہتے تھے جنگ جلد سے جلد ختم ہو جائے اس کی ایک ہی صورت تھی کہ مسیلمہ کا خاتمہ کر دیا جائے، اپنے مٹھی بھر ساتھیوں کو لے کر خالد دشمن کے قلب لشکر پر ٹوٹ پڑے، دیکھا مسیلمہ گھوڑے پر سوار اپنے فدائیوں میں گھرا ہوا ہے تو انہوں نے اس کے جاں نثاروں کا حلقہ توڑا اور مسیلمہ کو للکارا، یہ سب کچھ اس قدر تیزی سے ہوا کہ مسیلمہ کے حواری سنبھل نہ سکے، حضرت خالد نے دیکھا ایک چھوٹے سے قد، پیلی رنگت اور عورتوں کے سے ناک نقشے کا آدمی سامنے ہے، تو پکارے، ’’مسیلمہ! آجا دو دو ہاتھ ہو جائیں‘‘۔

مسیلمہ نے دیکھا خالد کی تلوار ہوا میں لہرا رہی ہے تو سمجھ گیا، موت سر پر کھیل رہی ہے، چاہتا تھا صلح کی کچھ شرائط پر بات چیت کرے، حضرت خالد اس پر جھپٹ پڑے، مسیلمہ اور اس کے ساتھی جان بچا کر بھاگے محکم چلایا کہ ’’باغ میں گھس جاؤ، باغ میں!‘‘ بنوحنیفہ پاس کے ایک باغ میں گھس گئے اور دروازہ بند کر لیا۔

حضرت براء اور حضرت ابودجانہ یہ دیکھ کر فصل پر چڑھ گئے اور باغ میں کود پڑے، دشمنوں کے بیچ میں موت کے منہ میں اللہ رے جگر داری دشمن بھی دنگ ہو گئے، بڑا گھمسان کا رن پڑا۔

مسلمانوں نے اپنے ساتھیوں کی جرأت اور ہمت دیکھی تو ان کے دل بڑھ گئے، خود بھی باغ میں کود پڑے اور اب جو میدانِ جنگ گرم ہوا تو مسلمانوں کی تلواروں سے خون ٹپکتا تھا، آخر بنوحنیفہ نے ہتھیار ڈال دیئے، وہ باغ جن میں یہ لوگ جان بچا کر گھس گئے تھے، بعد میں حدیقۃ الموت کہلایا، یہیں محکم کو حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر نے قتل کیا اور مسیلمہ وحشی کے ہاتھوں مارا گیا، وحشی اس لڑائی میں خاص طور پر اس نے شریک ہوا تھا کہ مسیلمہ کو مار کر حضرت حمزہ کو شہید کرنے کا کفارہ ادا کر دے۔

جنگ ختم ہوئی تو یمامہ کے ہر گھر میں صفِ ماتم بچھ گئی، ان کے اکیس ہزار آدمی مارے گئے تھے، نصف سے زیادہ لشکر مسلمانوں نے پھر ایک بار ثابت کر دکھایا کہ قوتِ ایمانی کے آگے نہ تعداد کی کثرت کوئی چیز ہے، نہ تیغ وسناں کی بہتات کوئی چیز۔

ہندوستان میں قضاءشرعی کا نظام

مولانا عتیق احمد بستوی

تاریخ کے ہر دور میں مسلمان جہاں بھی رہے خواہ وہ حاکم بن کر رہے ہوں یا محکوم بن کر انہوں نے نظام قضا برپا کرنا اپنا اولین دینی فریضہ تصور کیا، اس لئے کہ قضاءشرعی کے بغیر مسلم معاشرے کے لئے اسلامی زندگی کا تصور ممکن نہیں، تاریخ اسلام کے ہر دور میں اسلامی عدالتوں اور مسلم قاضیوں کے بے لاگ فیصلوں نے عدل وانصاف ومساوات انسانی اور قانون شریعت کی بالادستی کی ایسی روشن مثالیں دنیا کے سامنے پیش کی ہیں، جن کا تصور بھی دنیاوی عدالتیں نہیں کرسکتیں، ہمارے مسلم قاضیوں نے قانون کی بالادستی قائم رکھتے ہوئے ایک معمولی رعیت کی درخواست پر خلیفۃ المسلمین، سلطانِ وقت اور بڑے بڑے جابر امراء کو فریقِ مقدمہ کی حیثیت سے اسلامی عدالت میں طلب کیا ہے اور ان کے خلاف فیصلوں کو نافذ کیا ہے، قاضیوں کے ان بے لاگ فیصلوں نے دعوت اسلام کے لئے راہیں ہموار کیں اور غیر مسلموں کے قلوب قبول اسلام کے لئے کھول دیے۔

ہندوستان میں قضاءشرعی کا نظام

ہندوستان میں سب سے پہلے جنوبی ہند اور گجرات کے ساحلوں پر مسلمانوں کے قدم پہنچے، قرون اولیٰ کے یہ مسلمان اکثر وبیشتر تجارت کے سلسلے میں ہندوستان وارد ہوئے، ان تاجروں نے ہندوستان کے ساحلی علاقوں میں اپنی نوآبادیاں قائم کیں، دعوت اسلام کا فریضہ بھی انجام دیا، یہ ابتدائی دور ہندوستان میں مسلمانوں کو حکومت واقتدار، سطوت وشوکت کا دور نہیں بلکہ ان کی محکومیت کا دور تھا، پھر بھی انہوں نے اپنی آبادیوں میں قضاءشرعی کا نظام قائم کیا اور اس وقت کے ہندو راجاؤں اور حکمرانوں نے مذہبی رواداری کا ثبوت دیتے ہوئے مسلمان قاضیوں کی قانونی حیثیت تسلیم کی، ان کے فیصلوں کو واجب التسلیم قرار دیا، اولوالعزم مسلمان سلاطین وفاتحین نے سرزمین ہندو کو فتح کرنے کے بعد پورے ہندوستان میں اسلام کا نظام عدل نافذ کیا اور تقریباً مسلمانوں کے پورے دور اقتدار میں ہندوستان پر اسلامی قانون کی بالادستی رہی، لیکن مسلم سلاطین نے غیر مسلموں کے مذہبی معاملات میں ادنیٰ مداخلت نہیں کی، غیر مسلموں کو ان کے مذہب اور رسم ورواج پر عمل کرنے کی پوری آزادی دی، ان کے مذہبی امور وعبادت کا انتظام وانصرام بالکلیہ انہیں کے مذہبی پیشواؤں، پنڈتوں اور پروہتوں کے ہاتھوں میں دیدیا، ہندوؤں کو ان کے پرسنل لا پر عمل کرنے اور اپنے تنازعات ہندو پرسنل لا کے مطابق فیصل کرانے کی پوری آزادی دی۔

انگریزی دور میں نظام قضاء

سلطنت مغلیہ کے زوال کے بعد انگریزوں نے ہندوستان پر حکمرانی شروع کی تو انہوں نے اسلامی تہذیب وثقافت کا ہر نقش ہندوستان سے مٹا دینا چاہا، تمام شعبہ ہائے زندگی کی طرح انہوں نے محکمۂ عدلیہ سے بھی اسلام کے اثرات محو کرنے کا منصوبہ بند پروگرام بنایا، تدریجاً انہوں نے اسلامی قوانین منسوخ کر کے اپنے وضع کردہ قوانین ہندوستان کی عدالتوں میں نافذ کیے، ۱۸۵۷ء کی جنگ میں چونکہ مسلمانوں نے قائدانہ رول ادا کیا اور ہندوستان میں برطانوی قصرِ استعمار کی بنیادیں متزلزل کر دیں، اس لئے انگریزوں نے حالات پر قابو پانے کے بعد مسلمانان ہند کو ظلم وستم کا خصوصی نشانہ بنایا، مسلمانوں کو من حیث القوم فنا کے گھاٹ اتارنے اور انہیں مذہب کے عزیز ترین سرمایہ سے محروم کرنے کا جو طویل المیعاد منصوبہ انگریزوں نے تیار کیا، اسی کا ایک جزئیہ بھی تھا کہ مسلمانوں کا اسلامی تشخص ختم کر دیا جائے اور مسلمانان ہند کو اسلامی قانون سے ہمیشہ کے لئے محروم کر دیا جائے، اس منصوبہ کے تحت ۱۸۵۷ء کے بعد انگریزوں نے بڑی برق رفتاری کے ساتھ عدلیہ کا پورا ڈھانچہ تبدیل کر کے رکھ دیا، ۱۸۶۲ء میں زبردست قدم اٹھاتے ہوئے برطانوی حکومتِ ہند نے مسلمان قاضیوں کی تقرری موقوف کر دی، ۱۸۶۴ء سے قبل ہر علاقہ میں حکومت کی طرف سے مسلمان قاضی مقرر کئے جاتے تھے، جو مسلمانوں کے خانگی اور عائلی تنازعات میں شریعت اسلامی کے مطابق فیصلے دیا کرتے تھے، ۱۸۶۴ء میں نظام قضاء کے خاتمہ کے بعد مسلمان مجبور ہو گئے، اپنے خالص خانگی اور عائلی جھگڑے، نکاح، طلاق، وراثت وغیرہ سے متعلق قضیے بھی غیر مسلم ججوں کی عدالت میں لے جائیں، ۱۸۷۲ء میں اسلامی قانون شہادت کی حکمرانی عدالتوں سے ختم کر دی گئی، اس کی جگہ انسانی ذہنوں کا تراشا ہوا قانون شہادت نافذ کیا گیا، غرضیکہ ایک ایک کر کے اسلامی قصرِ عدالت کی ساری اینٹیں جدا کر کے پورے عدالتی نظام کو غیر اسلامی خطوط پر استوار کیا گیا اور یہ سب کچھ جبر وتشدد کے سہارے کیا گیا، مسلمانوں کی آہ وفریاد، نالہ واحتجاج نے کوئی اثر نہیں کیا۔

امتداد زمانہ کے ساتھ انگریزوں کے جوشِ غضب اور جذبۂ انتقام میں قدرے کمی ہوئی، مسلمانوں میں بھی ایک طبقہ پیدا ہوا جس نے برسر اقتدار قوم سے مستقل رسہ کشی قوم مسلم کے لئے مضر سمجھ کر انگریزوں سے رسم وراہ پیدا کی، مسلمانوں اور انگریزوں کے درمیان نفرت وعداوت کی جو گہری خلیج پیدا ہو گئی تھی اسے پاٹنے کی کوشش کی، دوسری طرف انگریز حکام نے محسوس کیا کہ ظلم وانتقام کی پالیسی خود حکومت کے حق میں مضر ہے، ہندوستانی مسلمانوں کا حقیقت پسندانہ مطالعہ کرنے کے بعد انگریز مبصرین اس نتیجہ تک پہنچے کہ مسلمان مذہب کے سلسلے میں سب سے زیادہ حساس واقع ہوئے ہیں اور برطانوی حکومت ہند سے مسلمانوں کی نفرت وعداوت کا سب سے اہم سبب ان کے دینی معاملات میں صریح مداخلت ہے، بالآخر مرکزی مجلس قانون ساز کے مسلم اراکین کی تحریک اور کوششوں سے ۱۹۳۷ء میں شریعت ایکٹ منظور ہوا، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ’’وراثت، نکاح، فسخ نکاح، بشمول طلاق، ایلاء، ظہار، لعان، خلع، مبارات، نفقہ، مہر، ثبوتِ نسب، امانت، جائیداد، حق شفعہ، ہبہ اور اوقات کے معاملات میں مسلمان لازمی طور پر مسلم پرسنل لا کے تابع ہوں گے، وصیت اور تبنیت کے معاملات میں مسلم پرسنل لا کا اطلاق اختیاری ہوگا‘‘۔

اس ایکٹ کے پاس ہونے سے پہلے قیام دارالقضاء کی کوششیں جاری تھیں، ہمارے بزرگوں نے ۱۹۲۱ء میں امارت شرعیہ بہار کے قیام کے ساتھ نظام قضاء کو بھی جاری کیا، ہاں! اس ایکٹ نے اس نظام کو مزید طاقت پہونچایا، اس کے بعد درمیان میں بہت سے نشیب وفراز آئے، مگر دارالقضاء کے قیام کی جدوجہد جاری رہی ہے اور اللہ کے فضل وکرم سے یہ سلسلہ اس وقت بھی جاری ہے۔

سیاہ قانون پر سپریم کورٹ کی مہر

یوگیندر یادو

صبح کا وقت ہے، دروازے پر گھنٹی زور سے بجتی ہے، دروازہ کھولنے پر آپ کو افسر نما لوگ دکھائی دیتے ہیں، ہم ای ڈی سے آئے ہیں، آپ کو پوچھ گچھ کے لئے ہمارے ساتھ چلنا ہوگا، ان کے دفتر پہنچنے پر آپ سے پوچھا جاتا ہے ’کیا آپ نے گزشتہ سال اپنا ایک پلاٹ گپتا جی کو بیچا تھا؟ آپ کہتے ہیں ’ہاں، میرا اپنا پلاٹ تھا، کوئی متنازعہ جائیداد نہیں تھی، ایک نمبر پر فروخت ہوا تھا، کوئی بلیک کا معاملہ نہیں ہے، باقاعدہ رجسٹری ہوئی ہے، گواہ ہیں، سارے ثبوت ہیں۔

انہیں آپ کے ثبوت وشواہد میں کوئی دلچسپی نہیں ہے، آپ جانتے ہیں جن گپتا جی کو آپ نے پلاٹ بیچا تھا، ان کے خلاف اپنے کاروبار میں دھاندلی کرنے کا ۴۲۰ کا مقدمہ ہے؟ آپ ہنستے ہیں، بھائی میں نے اسے پلاٹ بیچا ہے، کنیا دان نہیں کیا، پراپرٹی ایجنٹ سے سودا ہوگیا، ادائیگی چیک کے ذریعے ہورہی تھی، میرا اس سے اس کے خاندان یا کاروبار سے کوئی تعلق نہیں ہے، چند ماہ قبل میں نے اخبار میں پڑھا تھا کہ ان کے خلاف کچھ کیس درج کیا گیا ہے، لیکن وہ ہماری ڈیل کے بعد کی بات ہے‘ آپ سمجھتے ہیں کہ غلط فہمی دور ہوگئی، معاملہ حل ہوگیا۔

لیکن پہاڑ اب ٹوٹتا ہے، ایسا لگتا ہے کہ آپ پی ایم ایل اے (پریونشن آف منی لانڈرنگ ایکٹ) کے بارے میں نہیں جانتے، اس قانون کے گپتا جی ہی نہیں آپ بھی مجرم ہیں، ہم آپ کو گرفتار کررہے ہیں ’اب آپ کو یاد آتا ہے کہ گزشتہ مہینے آپ کا اپنے مقامی ایس ڈی ایم سے جھگڑا ہوا تھا، اس نے آپ کو دھمکی دی تھی کہ ’میں آپ کو جیل کی چکی میں پسواؤں گا۔

آپ کے ہوش وحواس پھر بھی برقرار ہیں ’گرفتار کرتا ہے تو مجھے ایف آئی تو دیجئے‘ ای ڈی کا افسر مسکراتا ہے، ہمارے یہاں کوئی ایف آئی آر نہیں ہوتا ہے، یہ پولیس اسٹیشن نہیں ہے، ہمارے یہاں ابتدائی رپورٹ (ایف، آئی، آر) کو ای سی آئی آر کہتے ہیں، جھک مار کر تب آپ کہتے ہیں ’اچھا بھائی، نام جو بھی ہو، اس کی ایک کاپی مجھے دے دو، وہ پھر مسکرایا نہیں ای سی آئی آر ایک خفیہ دستاویز ہے، مجرم کو نہیں دی جاسکتی، اور یہ بھی سن لیجئے، آپ کا مقدمہ سی آر پی سی سے نہیں چلے گا، ہمارے اپنے قانون ہیں، اور وہ بھی خفیہ ہے‘ آپ حیران ہیں، بھائی، جسے قتل کے الزام میں گرفتار کیا جاتا ہے، اسے بھی ایف آئی آر دی جاتی ہے، کورٹ، مارشل کے رُولز بھی بتائے جاتے ہیں، اور سنئے میں ملزم ہوں، ابھی مجرم نہیں، اب ان کی مسکراہٹ تلخ ہوجاتی ہے، منی لانڈرنگ کی روک تھام کے قانون کے مطابق کیونکہ ای ڈی نے آپ پر شبہ کیا ہے، اب آپ مجرم ہیں، اب آپ کو ثابت کرنا ہوگا کہ آپ بے قصور ہیں، شکست خوردہ لہجہ میں آپ کہتے ہیں ’بھائی مجھ سے غلطی ہوئی جو میں نے وہ پلاٹ بیچ دیا، میں رقم واپس کردوں گا، میرا پلاٹ واپس کردو، لیکن پتہ چلا کہ بہت تاخیر ہوچکی ہے، اب تو حکومت نے پلاٹ اٹیچ کرلیا ہے، یعنی آپ اسے فروخت یا خرید نہیں سکتے، لیکن یوں بھی اب یہ جرم بن چکا ہے۔

آپ اچھی طرح سے پھنس گئے، اگلے دن آپ کا وکیل آگیا، آپ ضمانت کے لئے درخواست دینے کو کہتے ہیں، وہ کہتا ہے ’اس معاملہ میں ضمانت کو ناممکن سمجھیں، اس کا مطلب ہے کہ ضمانت اسی صورت میں دی جائے گی، جب عدالت اس بات پر مطمئن ہو کہ آپ کے خلاف مقدمہ جھوٹا ہے اور آپ آئندہ ایسا جرم نہیں کریں گے، آپ جھنجھلا جاتے ہیں ’مجھے یہ بھی نہیں معلوم کہ میرا جرم کیا ہے، میں کیسے ثابت کردوں گا کہ میں بے قصور ہوں؟ کون اس بات کی ضمانت دے سکتا ہے کہ اس طرح کا حادثہ کسی کے ساتھ دوبارہ نہیں ہوگا؟ وکیل سر جھکا کر کہتا ہے کہ ’اسی لئے میں نے کہا تھا کہ اس معاملہ میں ضمانت ملنا ناممکن ہے۔

اب کئی مہینے جیل میں گزر چکے ہیں، آپ ٹوٹ چکے ہیں، کاروبار میں خسارہ شروع ہوگیا ہے، سڑک پر پڑوسیوں کی سرگوشیاں اور طعنے سن کر گھر والوں اور بچوں نے گلی محلے میں آنا چھوڑ دیا ہے، بس ایک ہی بات آپ کے ذہن میں بار بار گونجتی رہتی ہے، میں نے کچھ کیا ہی نہیں، میں نے تو صرف ایک پلاٹ بیچا تھا، کوئی چوری نہیں کی، کوئی ہیرا پھیری نہیں کی، کوئی مجھے بتائے تو سہی کہ میرا جرم کیا ہے؟ وکیل کہتا ہے ’بابو جی سوال سچ یا جھوٹ کا نہیں، قانون کا ہے۔‘ آپ کے ہمدرد کو سمجھاتے ہیں ’پانی میں رہ کر مگر مچھ سے دشمنی نہیں کی جاتی، کیا ضرورت تھی آئی اے ایس افسر سے پنگا لینے کی؟ آپ نہیں جانتے کہ یہ قانون بنا تو تھا دہشت گردی کی فنڈنگ روکنے کے لئے لیکن گزشتہ کئی برسوں سے اسے سیاسی مخالفین کو ٹھکانے لگانے کے لئے استعمال کیا جارہا ہے، پہلے ہر سال اوسطاً ۱۰۰/ سے ۲۰۰/ کیسز ہوتے تھے، لیکن گزشتہ تین برسوں میں اس قانون کے تحت ۵۶۲/ پھر ۹۸۱/ اور ۱۱۸۰/ مقدمات درج کئے گئے ہیں، چنے کے ساتھ ساتھ آپ جیسا گھن بھی پس گیا‘ آپ کا چہرہ دیکھ کر وکیل تسلی دیتا ہے‘ یہ مت سمجھئے کہ سزا ہوجائے گی، جب ٹرائل شروع ہوگا تو ہم جج کے سامنے آپ کا سچ پیش کردیں گے، مجھے یقین ہے کہ آپ بے گناہ ہیں اور آج تک صرف ۲۳/ لوگوں کو ہی سزا ملی ہے۔

”لیکن کب؟ پانچ دس سال جیل میں گزارنے کے بعد؟ سارے خاندان کا منہ کالا کرنے کے بعد؟ اب وکیل کا سر واقعی میں جھک گیا تھا، بابو جی، یہ معاملہ سپریم کورٹ میں واپس آگیا ہے، لگتا ہے آپ اخبار نہیں پڑھتے، گزشتہ ہفتے ہی سپریم کورٹ نے اس معاملہ میں اپنا فیصلہ سنایا ہے، جسٹس کھانولکر نے ریٹائرمنٹ سے پہلے اپنے آخری فیصلے میں اس قانون کے تمام دفعات کو صحیح ٹھہرا دیا ہے، اب یہی انصاف ہے۔

بقیہ: تحریک آزادی اور امارت شرعیہ……….

گاندھی جی سے ان کی یہ ملاقات چھپی نہیں رہ سکی، انگریز حکومت کے جاسوس ان کے پیچھے لگ گئے اور ان کی گرفتاری کا فیصلہ ہوا، چنانچہ ۱۹۲۱ء میں خلافت کانفرنس گیا کے دفتر سے قاضی صاحب کی گرفتاری عمل میں آئی، شاہ محمد عثمانؒ لکھتے ہیں: ”قاضی صاحب کو دفعہ ۱۲۴ الف بغاوت کے الزام میں چھ ماہ کی سزائے قید بامشقت دی گئی تھی، وہ جب گرفتار ہوئے تو شہر میں دکانیں احتجاج کے طور پر بند ہوگئیں، اسکول بند کردئے گئے، سرکاری دفاتر میں بھی بہت سے لوگ نہیں گئے تھے، وہ رہا ہوئے تو اسٹیشن پر ان کے استقبال کو آدمیوں کا ہجوم جمع تھا، پلیٹ فارم اور اسٹیشن کا کمپاؤنڈ اور اس سے باہر سڑکوں پر لوگ جمع تھے اور نعرے لگا رہے تھے (حسن حیات ۱۰۰،۶۱)

ان کے علاوہ بہت سارے امارت شرعیہ کے نامور لوگوں نے بھی اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر کام کیا، مثال کے طور پر مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب مفتاحی، شیخ عدالت حسین، حافظ محمد ثانی وغیرہ کا نام لیا جاسکتا ہے۔ ڈاکٹر ابوالکلام قاسمی شمسی لکھتے ہیں: ”جنگ آزادی میں امارت شرعیہ نے اہم رول ادا کیا، اس سے منسلک، دانشوران اور عوام نے تحریک آزادی میں بھرپور حصہ لیا، ان میں سے مولانا محمد سجاد، مولانا سید شاہ محی الدین امیر شریعت مولانا شاہ محمد قمر الدین، مولانا سید منت اللہ رحمانی، قاضی احمد حسین، مولانا عبدالوہاب، مولانا حافظ محمد عثمان، مولانا عثمان غنی، شیخ عدالت حسین، سعید الحق وکیل، ڈاکٹر سید عبدالحفیظ فردوسی، مسٹر محمد یونس بیرسٹر، مولانا عبدالصمد رحمانی، مسٹر محمد محمود بیرسٹر، مسٹر خلیل احمد ایڈوکیٹ کے علاوہ سیکڑوں علماء ہیں (تحریک آزادی میں علماء کرام کا حصہ ۳۰۲)

امارت شرعیہ کے پہلے ناظم، مفتی اور امارت شرعیہ کے ترجمان جریدہ امارت اور نقیب کے مدیر محترم مولانا محمد عثمان غنیؒ نے جدوجہد آزادی میں اپنے قلم کے ذریعہ مجاہدین میں جوش وجذبہ اور حوصلہ پیدا کیا، آپ کی تحریروں نے انگریزوں کو بے حد پریشان کیا، جس کے نتیجہ میں امارت کے پرچے ضبط ہوئے، ضمانت طلب کی گئی، مولانا محمد عثمان غنیؒ کو جیل کے اندر ڈالا گیا، لیکن یہ مرد مجاہد اس قدر حب الوطنی کے جذبہ سے سرشار تھا کہ قید وبند کی صعوبتیں بھی اس کے قلم کو روک نہیں سکیں اور ”امارت“ کو بالآخر بند کردینا پڑا، اس کے بعد ”نقیب“ کے نام سے امارت کا ترجمان نکلنا شروع ہوا، جو آج تک نکل رہا ہے، آزادی سے قبل تک اس نے انگریزوں کے خلاف قلمی جہاد کیا، اور آزادی کے بعد مسلمانوں کو متحد ومتفق کرنے، اصلاح معاشرہ اور اہم موضوعات پر اس کے مضامین ومقالات آج بھی موثر کردار ادا کررہے ہیں۔

میں نے اپنے ایک مضمون ”بے باک صحافی۔ مولانا مفتی محمد عثمان غنی“ میں لکھا تھا: ”آپ کی تحریروں میں حکومت برطانیہ پر جارحانہ تنقید ہوا کرتی تھی، اور یہ تنقید حکومت لئے ناقابل برداشت تھی، کئی بار مقدمہ چلا، ۸/مئی ۱۹۲۶ء کے ایک اداریہ پر حکومت نے اس شمارہ کو ضبط کرلیا اور سرکار انگلیشہ نے بغاوت کا مقدمہ کردیا، ۲/نومبر ۱۹۲۶ء کو نچلی عدالت سے ایک سال قید اور پانچ سو روپے جرمانہ کا حکم دیا تھا، ایک ماہ جیل میں رہنے کے بعد ۲۷/دسمبر ۱۹۲۶ء کو عدالت عالیہ سے ضمانت منظور ہوئی، قید کی سزا ختم ہوگئی، مگر جرمانہ بحال رکھا گیا۔

۱۹۲۷ء اگست میں بتیا فساد کے موقع سے ۲۰/صفر ۱۳۴۶ھ مطابق ۱۹/اگست ۱۹۲۷ء کا ایک اداریہ پھر حکومت کی جبین اقتدار پر شکن کا سبب بن گیا، دفعہ ۱۵۳ (ایف) کے تحت مقدمہ چلا، ایک سال قید، ڈھائی سو روپے جرمانہ کی ادائیگی کا حکم ہوا، سر علی امام نے مولانا کی طرف سے اس مقدمہ میں پیروی کی، ایک روز جیل میں رہنے کے بعد ضمانت ملی، ڈسٹرکٹ جج کے یہاں سے ۳۰/اپریل ۱۹۲۸ء کو مولانا کو انصاف ملا اور وہ بری کردئے گئے، تیسری بار پھر ایک اداریہ کی وجہ سے ۱۳۵۲ھ میں حکومت بہار نے ایک ہزار روپے کی ضمانت طلب کی، امارت شرعیہ کے ذریعہ اس جرمانہ کی ادائیگی ممکن نہیں ہوئی اور ”امارت“ کو بند کردینا پڑا۔ مولانا ڈاکٹر ابوالکلام قاسمی شمسی لکھتے ہیں: ”امارت شرعیہ کے پندرہ روزہ جریدہ ”امارت“ نے اپنے انقلابی مضامین کے ذریعہ لوگوں کے دلوں میں جوش آزادی پیدا کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا، اس کے باغیانہ وانقلابی مضامین کی وجہ سے انگریزوں نے اس پر مقدمہ چلایا اور جرمانہ عائد کیا، بالآخر اس کو بند کردینا پڑا (تحریک آزادی میں علماء کا حصہ ۲۰۳) شاہ محمد عثمانؒ کے ان جملوں پر اپنی بات کو ختم کرتا ہوں، لکھتے ہیں: ”امارت شرعیہ اور جمعیۃ علماء کے لوگ تو جنگ آزادی میں کود جانے کے حامی تھے اور وہ کود گئے (ان کے لئے) جہاد جہاد حریت میں شرکت محض قومی نظریہ نہیں بلکہ اسلامی مفادات کا تقاضہ تھا (حسن حیات ۸۶)

اعلان مفقود الخبری

معاملہ نمبر ۴۷/۱۱۲۶۹/۱۴۴۳ھ

(متدائرہ دارالقضاء امارت شرعیہ مدرسہ رحمانیہ سوپول)

ثمینہ خاتون بنت محمد یوسف مرحوم مقام مہری چاتر ڈاکخانہ ہری نگر ضلع دربھنگہ۔ فریق اول

بنام

شمشاد ولد پھولو نداف مقام برداہا ڈاکخانہ بورام ضلع دربھنگہ۔ فریق دوم

اطلاع بنام فریق دوم

معاملہ ہذا میں فریق اول نے آپ فریق دوم کے خلاف دارالقضاء امارت شرعیہ مدرسہ رحمانیہ سوپول میں عرصہ ایک سال سے غائب ولاپتہ ہونے، نان ونفقہ نہ دینے اور جملہ حقوق زوجیت ادا نہ کرنے کی بنیاد پر نکاح فسخ کئے جانے کا دعویٰ دائر کیا ہے، اس اعلان کے ذریعہ آپ کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ آپ جہاں کہیں بھی ہوں فوراً اپنی موجودگی کی اطلاع دیں اور آئندہ تاریخ سماعت ۲/صفر المظفر ۱۴۴۴ھ مطابق ۳۰/اگست ۲۰۲۲ء روز منگل بوقت ۹/بجے دن آپ خود مع گواہان وثبوت مرکزی دارالقضاء امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ میں حاضر ہو کر رفع الزام کریں۔ واضح رہے کہ تاریخ مذکور پر حاضر نہ ہونے یا کوئی پیروی نہ کرنے کی صورت میں معاملہ ہذا کا تصفیہ کیا جاسکتا ہے۔ فقط۔ قاضی شریعت۔

طب وصحت

گردے کی بیماری، علامات اور علاج

محمد مشیر عالم
ایم آر ہاسپٹل
راجہ بازار، پٹنہ

ایک اندازے کے مطابق دنیا بھر میں 10 میں سے ایک فرد گردے کی کسی نہ کسی بیماری میں مبتلا ہے۔ ذیابیطس اور ہائی بلڈ پریشر والے افراد کو گردے کی بیماری ہونے کا سب سے زیادہ خطرہ سمجھا جاتا ہے۔ ہندوستان میں دنیا کے سب سے زیادہ ذیابیطس اور ہائی بلڈ پریشر کے مریضوں کا بوجھ ہے۔

2018 میں شائع ہونے والے آبادی کے سروے کے مطابق تقریباً 8% ہندوستانی ذیابیطس اور 25% ہائی بلڈ پریشر کا شکار ہیں۔ اس لیے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ہندوستان میں گردے کی بیماری کا بوجھ بہت زیادہ ہے۔

ہندوستان اور دنیا بھر میں لاکھوں لوگ گردے کی بیماری میں مبتلا ہیں لیکن زیادہ تر لوگوں کو اس کا علم تک نہیں ہے۔

گردے کی بیماری کی جسمانی علامات اکثر شروعات کے دنوں میں نظر نہیں آتے۔ اور اکثر یہ علامات بیماری میں بہت دیر سے ظاہر ہوتے ہیں جب تک دونوں گردے فیل ہو چکے ہوتے ہیں۔

گردے کا نقصان دو طرح کا ہو سکتا ہے۔ ایک جو اچانک سے ظاہر ہوتا ہے، جسے ایکیوٹ بھی کہا جاتا ہے، اس طرح کی کڈنی کی بیماری کو پھر سے ٹھیک کیئے جانے کی گنجائش باقی رہتی ہے۔

لوگوں میں عموماً دونوں گردے مکمل خراب ہو جانے کے بعد ہی اس کے اثرات نظر آتے ہیں۔ اس قسم کی گردے کی پیماری کو گردے کی دائمی بیماری بھی کہا جاتا ہے۔ وہ 10 نشانیاں جو گردے کی بیماری کی نشاندہی کر سکتی ہیں۔

اکثر تھکاوٹ محسوس کرنا:

گردوں کے کام نہیں کرنے کے سبب خون میں نقصان دہ زہریلے مادوں کے جمع ہونے کا باعث جسم کے اندر مختلف نقصان دہ اثرات نمایاں ہونے شروع ہو جاتے ہیں اور اس کے سبب لوگوں کو تھکاوٹ، کمزوری اور غنودگی محسوس ہو سکتی ہے۔ گردے کی بیماری میں مبتلا افراد کو خون میں ہیموگلوبن کی کمی بھی ہو جاتی ہے جو کہ کمزوری اور تھکاوٹ کا باعث بنتی ہے۔

ٹخنوں اور پیروں کی سوجن:

گردے کے کام میں کمی سے سوڈیم اور پانی جسم میں جمع ہونا شروع ہو جاتے ہیں جس کے باعث پاؤں اور ٹخنوں میں سوجن ہو سکتی ہے۔ کمزوری اور بھوک کے باوجود وزن میں تیزی سے اضافہ جسم میں ضرورت سے زیادہ سیال برقرار رکھنے کی علامت بھی ہو سکتا ہے۔ پاؤں کی سوجن کئی بیماریوں کی علامت ہو سکتی ہے جیسے دل کی بیماری، جگر کی بیماری اور ٹانگوں کی دائمی رگوں کے مسائل۔

آنکھوں کے گرد سوجن کا ہونا:

گردے کی بیماری کے باعث پروٹین کو جسم میں روک پانے کی صلاحیت جاتی رہتی ہے جس کی وجہ سے پروٹین جسم میں رہنے کے بجائے پیشاب کے راستے بڑی مقدار میں خارج ہو رہے ہوتے ہیں۔ آنکھوں کے گرد یہ سوجن پیشاب میں پروٹین کے مسلسل رساو کی وجہ سے نمایاں ہوا ٹھتے ہیں۔

سانس لینے کی دشواری:

خاص طور پر چہل قدمی کے دوران/ معمول کے کام/ ورزش کرتے وقت۔ مریضوں کو رات کو سونے میں دشواری کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے کیونکہ سینے میں بھاری پن محسوس ہوتا ہے یا لیٹتے وقت سانس لینے میں دشواری ہوتی ہے۔

گردے جسم سے اضافی پانی کو پیشاب کے ذریعے خارج کرتے ہیں۔ گردوں کی بیماری کے مریضوں میں جسم میں سیال بن جاتا ہے، یہ اضافی سیال اکثر پھیپھڑوں میں جمع ہو جاتا ہے اور سانس لینے کی صلاحیت کو کم کر دیتا ہے، خاص طور پر کسی بھی قسم کی مشقت کرنے یا لیٹنے پر۔

کثرت سے پیشاب ہونا:

کثرت سے پیشاب کرنے کی ضرورت، خاص طور پر رات کو، گردوں کی بیماری کی علامت ہو سکتی ہے۔ پیشاب کے انفیکشن بھی بہت کم وقفوں پر کثرت سے پیشاب کرنے کی خواہش کا باعث بنتے ہیں،

پیشاب کرتے وقت درد اور جلن کا ہونا :

بڑھے ہوئے پروسٹیٹ کے غدود میں مبتلا مردوں کو بھی بار بار پیشاب کرنے کی خواہش اور مثانے کے نامکمل خالی ہونے کا احساس ہو سکتا ہے۔

پیشاب میں خون آنا:

عام پیشاب میں خون یا خون کے سرخ خلیے نہیں ہوتے، لیکن جب گردے کے فلٹر خراب ہو جاتے ہیں تو خون کے خلیے پیشاب میں "لیک" ہو جاتے ہیں۔ گردے کی بیماری کے علاوہ، پیشاب میں خون ٹیومر، گردے کی پتھری یا انفیکشن کا اشارہ ہو سکتا ہے۔

پیشاب کا جھاگ دار ہونا:

"پیشاب میں بلبلوں کی طرح ضرورت سے زیادہ جھاگ کا پایا جانا اکثر پیشاب میں پروٹین کی نشاندہی کرتے ہیں۔ یہ جھاگ اس جھاگ کی طرح نظر آ سکتا ہے جو آپ انڈے کو کھرچتے وقت دیکھتے ہیں، جیسا کہ پیشاب میں پایا جانے والا عام پروٹین البومین وہی پروٹین ہے جو انڈوں میں پایا جاتا ہے۔

بھوک میں کمی کا احساس:

گردے کے کام میں کمی کی وجہ سے نقصان دہ زہریلے مادوں کا جمع ہونا بھوک کو دبانے اور متلی کے احساس کا سبب بن سکتا ہے۔ متلی اور الٹی بخار کے ساتھ پیشاب کے انفیکشن کی علامت بھی ہو سکتی ہے۔ گردے فیل ہونے والے مریض اکثر غذائیت کا شکار ہوتے ہیں۔

خشک اور خارش والی جلد:

صحت مند گردے خون میں الیکٹرولائٹس اور منرلز کے توازن کو برقرار رکھنے کے ساتھ جسم سے فضلہ اور اضافی سیال خارج کرتے ہیں۔ خشک اور خارش والی جلد معدنیات اور ہڈیوں کی بیماری کی علامت ہے جو گردے کی بیماری کے ساتھ ہوتی ہے، جب گردے آپ کے خون میں معدنیات اور غذائی اجزاء کا صحیح توازن برقرار رکھنے کے قابل نہیں رہتے ہیں

بلڈ پریشر کا کنٹرول نہ ہونا:

بہت زیادہ ہائی بلڈ پریشر یا بلڈ پریشر میں اچانک اضافہ کے طور پر تشخیص ہونا جو پہلے دوائیوں سے اچھی طرح سے کنٹرول کیا جاتا تھا - یہ گردے کی بنیادی بیماری کی علامت ہو سکتی ہے۔ اگر آپ یا آپ کے دوستوں کو ان علامات میں سے کسی کا سامنا ہے تو ڈاکٹر سے مشورہ ضرور کریں اور اس سے نجات پانے کے لئے ضروری اقدامات لازم ہو جاتے ہیں۔

ڈاکٹر ممکنہ طور پر گردے کی بیماری کا اندازہ لگانے کے لیے کچھ بنیادی ٹیسٹوں کا مشورہ دیتے ہیں۔ ان جانچ میں مں درجہ ذیل شامل ہو سکتے ہے:-

پیشاب کے ٹیسٹ - پیشاب کی معمول کی جانچ - پروٹین، خون کے خلیات، یا پیشاب میں انفیکشن کو دیکھنے کے لیے کیا جاتا ہے-

کریٹینائن، یوریا، پوٹاشیم اور سوڈیم کے لیے خون کے ٹیسٹ (اکثر کڈنی فنکشن ٹیسٹ کے طور پر، زیادہ تر لیبز میں اکٹھے کیے جاتے ہیں) گردے کے کام کرنے اور الیکٹرولائٹ بیلنس کا جائزہ لینے کے لیے-

گردوں، پیشاب کی نالیوں اور مثانے کو دیکھنے کے لیے پیٹ کا الٹراساؤنڈ اسکین - گردے کی پتھری، انفیکشن، پروسٹیٹ کے بڑھنے یا گردے کے سائز میں کسی غیر معمولی کو دیکھنے کے لیے۔

کچھ خاص ٹیسٹوں میں یہ بھی شامل ہو سکتے ہیں:- پیشاب میں پروٹین یا البومین - پیشاب میں پروٹین کے رساو کی مقدار معلوم کرنے کے لیے پیشاب جمع کرنا - تخمینہ شدہ GFR ٹیسٹ - گردے کے کام کی سطح کا اندازہ کرنے کے لیے، خون میں کریٹینائن کی قدروں سے شمار کیا جاتا ہے۔

خون کی ہیموگلوبن یا خون کی گنتی کا مکمل ٹیسٹ - خون کی کمی کو مسترد کرنے کے لیے اگر خون اور پیشاب کے ٹیسٹ گردے کے کام میں کمی کی نشاندہی کرتے ہیں، تو یہ ظاہر کرتا ہے کہ دونوں گردے خراب ہو گئے ہیں۔

گردے کی بیماری اگر جلد پتہ چل جائے تو کی پیش رفت کو کم کیا جا سکتا ہے۔

گردے کے مسائل میں مبتلا مریضوں کو ماہر امراض کے ساتھ باقاعدگی سے چیک اپ کراتے رہنا چاہیے تاکہ وہ بروقت مداخلت کر سکیں۔

ہفتۂ رفتہ

راشد العزیری ندوی

حجاب تنازعہ پر سماعت کے لئے بنچ تشکیل

سپریم کورٹ نے کرناٹک ہائی کورٹ کے اس فیصلے کے خلاف داخل کی گئی عرضیوں پر غور کرنے کے لیے ایک بنچ تشکیل کرنے اتفاق کر لیا ہے، جس میں ریاست کے پری-یونیورسٹی کالجوں میں حجاب پہننے پر پابندی لگانے کے تعلیمی اداروں کے اختیارات کو برقرار رکھا گیا تھا۔ جیسے ہی چیف جسٹس این وی رمنا کی صدارت والی بنچ کے سامنے سینئر وکیل پرشانت بھوشن نے معاملے کا تذکرہ کیا، انھوں نے کہا کہ میں ایک بنچ کی تشکیل کروں گا۔ اس پر سینئر وکیل پرشانت بھوشن نے عدالت سے ایک تاریخ طے کرنے کی گزارش کی کیونکہ مارچ میں ہائی کورٹ کے فیصلے کے خلاف عرضی داخل کی گئی تھی۔ قابل ذکر ہے کہ وکیل پرشانت بھوشن نے 13 جولائی کو چیف جسٹس رمنا کی صدارت والی بنچ کے سامنے معاملے کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ عرضیوں کو طویل مدت سے فہرست بند نہیں کیا گیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ لڑکیاں اپنی پڑھائی سے محروم ہو رہی ہیں۔ یہ معاملہ بہت پہلے درج کیا گیا تھا۔ اس پر چیف جسٹس نے جواب دیا تھا کہ اسے آئندہ ہفتہ کسی وقت فہرست بند کیا جائے گا۔

سپریم کورٹ کا آدھار اور ووٹر شناختی کارڈ کو لنک کرنے کے معاملے پر سماعت سے انکار

سپریم کورٹ نے آدھار اور ووٹر شناختی کارڈ کو لنک کرنے کے معاملے پر سماعت سے انکار کر دیا ہے۔ کانگریس لیڈر رندیپ سنگھ سرجے والا نے ایک عرضی داخل کر ووٹر شناختی کارڈ کو آدھا کارڈ سے جوڑنے کو لے کر کیے گئے انتخابی قانون ترمیمی ایکٹ کو رد کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔ کانگریس لیڈر نے اس کے لیے سپریم کورٹ میں ایک عرضی داخل کی تھی جس پر سماعت سے انکار کرتے ہوئے سپریم کورٹ نے انھیں ہائی کورٹ جانے کا مشورہ دیا ہے۔ واضح رہے کہ ووٹر شناختی کارڈ کو آدھار کارڈ سے جوڑنے کے مرکزی حکومت کے فیصلے کے خلاف رندیپ سرجے والا نے سپریم کورٹ میں عرضی داخل کر کے اسے رد کرنے کا مطالبہ کیا تھا۔ سرجے والا نے اپنی عرضی میں آدھار کو ووٹر شناختی کارڈ سے جوڑنے کے قانون کو پرائیویسی کے حق کی خلاف ورزی اور آئین کے خلاف بتایا ہے۔ ساتھ ہی کہا کہ یہ برابری کے حقوق کے خلاف ہے۔ عرضی میں کہا گیا ہے کہ ووٹر کارڈ کو آدھار کارڈ سے لنک کرنا شہریوں کی پرائیویسی کے بنیادی حقوق کی خلاف ورزی ہے اور یہ غیر آئینی بھی ہے۔ کانگریس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ آدھار شہریت کی نہیں بلکہ باشندہ ہونے کا ثبوت ہے، جب کہ ووٹر شناختی کارڈ شہریت کا حق دیتا ہے۔ عرضی میں کہا گیا ہے کہ فی الحال شہریوں کے ڈاٹا کی حفاظت کو لے کر کوئی قانون نہیں ہے، ایسے میں آدھار اور ووٹر کارڈ کو جوڑنے سے حالات مزید سنگین ہو جائیں گے۔ عرضی میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ اس سے ووٹروں کی نگرانی اور ووٹروں کے ذاتی حساس ڈاٹا کے غلط استعمال کا امکان بڑھ سکتا ہے۔

وزیر داخلہ نے کہا، سی اے اے نافذ کریں گے

ایک بار پھر سی اے اے یعنی شہریت ترمیمی قانون نافذ کیے جانے کی ہلچل شروع ہو گئی ہے۔ مغربی بنگال کے بی جے پی لیڈر شبھیند وادھیکاری نے مرکزی وزیر داخلہ امت شاہ سے ملاقات کر کے اس قانون کو جلد نافذ کرنے کی اپیل کی۔ اس پر امت شاہ نے انھیں یقین دلایا کہ سی اے اے کا نفاذ جلد ہوگا، لیکن اس سے پہلے کووڈ-19 ٹیکے کی احتیاطی خوراک دینے کا عمل پورا کیا جائے گا۔ بعد ازاں سی اے اے نافذ کرنے کی سرگرمیاں شروع ہوں گی اور ضروری پیش رفت ہو گی۔ واضح ہو کہ سی اے اے 11 دسمبر 2019 کو پارلیمنٹ کے ذریعہ پاس کیا گیا تھا اور 24 گھنٹے کے اندر 12 دسمبر کو اسے نوٹیفائیڈ کر دیا گیا تھا۔ حالانکہ اس کا نفاذ اٹکا ہوا ہے کیونکہ ابھی تک اصول اور طریقہ کار نہیں بنائے گئے ہیں۔

Volume:62/72,Issue:29 R.N.I.N. Delhi Regd. No.BIHURD/4136/61Printed & Published by Sohail Ahmad Nadwi, on behalf of Imarat Shariah Phulwari Sharif, Patna, Printed at Azimabad Printers, R.C.F./105, Ground Floor, B.H. Colony, Bhootnath Road, Kankarbagh, Patna-800026 and Published from Naqueeb Office Imarat Shariah, Phulwari Sharif, Patna-801505, Editior: (Mufti) Mohammad Sanaul Hoda (Quasmi)

لہووطن کے شہیدوں کا رنگ لایا ہے
اچھل رہا ہے زمانے میں نام آزادی
(فراق گورکھپوری)

LEADING URDU JOURNAL OF IMARAT SHARIAH
BIHAR ODISHA & JHARKHAND
NAQUEEB WEEKLY
PHULWARI SHARIF,PATNA 801505
SSPOS PATNA Regd.No.PT 14-6-21-23
R.N.I.N.Delhi,Regd No-BIHURD/4136/61

تحریک آزادی اور امارت شرعیہ

مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی

امارت شرعیہ کے اکابر نے غلام ہندوستان کو آزاد کرانے کے لئے جو جہد کی، وہ تاریخ کا روشن باب ہے، ترک موالات، خلافت تحریک اور انڈی پینڈینٹ پارٹی کا قیام تحریک آزادی کو ہی کمک پہونچانے کی ایک کوشش تھی، بانی امارت شرعیہ حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد علیہ الرحمہ (ولادت ۱۳۰۱ھ۔وفات ۱۳۵۹ھ) حب الوطنی کے جذبہ سے سرشار تھے اور ان کے متعلقین ومتوسلین مختلف انداز میں جدوجہد آزادی میں شریک رہے، کامریڈ تقی رحیم لکھتے ہیں: ''امارت کے تمام رہنما اور اہم کارکن مذہبی اثر ورسوخ کے حامل ہونے کے ساتھ جانے ہوئے کٹر سامراج مخالف سیاہی رہنما بھی تھے، مولانا مشہود احمد ندوی قادری موجودہ پرنسپل مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ، امیر شریعت اول مولانا سید شاہ بدرالدین قادریؒ پر لکھے گئے ایک مضمون میں مولانا محمد سجادؒ کا تعارف ان الفاظ میں کراتے ہیں: ''ایک مرد مجاہد اور آزادی کے سرخیل وعلم بردار حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ جو وقت اور زمانہ کے حالات کو دیکھ رہے تھے اور حالات کے صحیح نباض تھے''۔ (ہمارے امیر ۸، مرتبہ مولانا رضوان احمد ندوی)

مولانا نورالحق رحمانی رقم طراز ہیں: ''آپ مجاہد اعظم اور جنرل سپاہی بھی تھے، جب پہلی جنگ کی تیز وتند ہوا چلی اور زبردست طوفان اٹھا تو بہت سی قد آور شخصیت پستہ ہوگئیں، لیکن آپ مستحکم چٹان کی طرح جمے رہے، آپ حضرت شیخ الہند اور حضرت شیخ الاسلام کے ساتھ جنگ آزادی میں شریک رہے، جب حضرت شیخ الہندؒ نے ۱۹/جولائی ۱۹۲۰ء کو ترک موالات کا فتویٰ دیا تو اس کو مرتب کرکے ۴۸۴ دستخطوں کے ساتھ شائع کرنے والی آپ ہی کی شخصیت تھی (ہمارے امیر ۳۹) مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ نے خطبۂ صدارت اجلاس مرادآباد میں آزادی کی لڑائی کے لئے ہندو مسلم کو متحد کرنے کی بات کہی، مولانا نے فرمایا کہ گھر کے غیر مسلم قوموں سے پہلے مصالحت وموادعت کی جائے، پھر بیرونی دشمنوں سے گھر کی حفاظت کی جائے، مولانا محمد سجادؒ محمد علی جناح کو اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں: ''اصلی فساد ہلاکت کا سرچشمہ برٹش حکومت کا دستور حکومت ہے یہ روگ بمنزلہ سل ودق کے ہے اور فرقہ وارانہ فسادات یا نوکریوں یا وزارتوں میں حق تلفی بمنزلہ پھوڑا اپھنسی کے ہے'' (مکاتب سجاد ۲۵) آگے لکھتے ہیں: ''جناب کو معلوم ہے کہ اس کا علاج بجز اس کے کیا ہوسکتا ہے کہ حکومت کے موجودہ سسٹم میں کلیۃً انقلاب برپا کیا جاجائے، لیکن یہ انقلاب صرف تحریروں، تقریروں، جلسوں اور جلوسوں سے حاصل نہیں ہوسکتا اور نہ صرف ظالموں کو برا کہنے سے، اس کے لئے ہمیشہ صرف ایک اصول ہے کہ ظالموں اور جابروں کے استبداد کو ختم کرنے کے لئے اور اقامت عدل وانصاف ورضائے الٰہی کے لئے مظلوم قوم اپنے جان ومال کی قربانی پیش کرے اور اس اصول پر عمل کرنے کے لئے دو طریقے امتداد تاریخ عالم انسانی سے رائج ہیں، ایک طریقہ جہاد بالسیف ہے اور دوسرا طریقہ بغیر مدافعت جہاد اعلان حق اور تسلیم باطل سے قولاً وعملاً انکار، جس کو حرب سلمی بھی کہتے ہیں اور عرف عام میں عدم تشدد کے ساتھ سول نافرمانی'' (مکاتب سجاد ۲۷)

مسلم لیگ نے آپ کے حرب سلمی کے مشورے کو نہیں مانا تو مولانا کو اس کا بہت افسوس ہوا، محمد علی جناح کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں ''مجھے افسوس ہے کہ مسلم لیگ نے اصل مقصد کو پیش نظر رکھ کر برٹش شہنشاہیت کے خلاف حرب سلمی کے ذریعہ محاذ جنگ میں قدم رکھنے کا فیصلہ نہیں کیا، معلوم ہوتا ہیکہ مسلم لیگ کی رہنمائی جن ہاتھوں میں ہے ان کی اکثریت آج بھی انگریزوں پر اعتماد رکھتی ہے (مکاتب سجاد ۳۲) مولانا نے گانگریس کے ترک موالات کی تجویز کی حمایت میں ایک فتویٰ بھی لکھ کر شائع کیا، سری کرشنا سنگھ اپنے تحقیقی مقالہ ۱۶۸ پر لکھتے ہیں: ایک سرکاری رپورٹ کے مطابق وہ بہار میں علماء کی تحریک کو جنم دینے والے ایسے خطرناک اور کٹر انتہا پسند تھے جس نے ابوالکلام آزاد اور پان اسلامزم کے دوسرے بڑے داعیوں سے مل کر یہاں سب سے پہلے ایجی ٹیشن شروع کیا (بحوالہ جدوجہد آزادی میں بہار کے مسلمانوں کا حصہ ص ۲۳۳)

امارت شرعیہ کے پہلے امیر شریعت حضرت مولانا سید شاہ بدرالدین قادریؒ (ولادت ۱۸۵۲ء، وفات ۱۹۲۴ء) اس معاملہ میں اس قدر حساس تھے کہ ۱۹۱۵ء مطابق ۱۳۳۳ھ میں آپ کی علمی خدمات اور با اثر شخصیت ہونے کی وجہ سے انگریزوں نے انہیں شمس العلماء کا خطاب اور تمغہ دیا تھا، جسے بعض وقتی مصالح کی وجہ سے آپ نے قبول بھی کرلیا تھا، یکم اگست ۱۹۱۹ء مطابق ۱۳۳۸ھ میں خلعت وتمغہ دونوں کمشنر کو واپس کردیا اور لکھا کہ: ''میں اپنے دلی رنج وغم کا اظہار اس میں سمجھتا ہوں کہ اپنے خطاب شمس العلماء، خلعت وتمغہ وعطیہ سلطنت برطانیہ کو واپس کردوں؛ تاکہ اراکین سلطنت ہم لوگوں کے اس بے انتہا رنج وغم کا اس سے اندازہ کرلیں (ہمارے امیر ص ۷) مولانا کا یہ ردعمل برطانوی حکومت کے ذریعہ ہندوبیرون ملک پر ان ظالمانہ رویہ اور غیر منصفانہ اقدام کے نتیجہ میں سامنے آیا جو انگریزوں نے روا رکھا تھا، اس کی وجہ سے حضرت امیر شریعت اول انگریزوں سے سخت نفرت کرتے تھے اور وہ ان شرائط کو بھی ماننے کو تیار نہیں تھے جو انگریزوں نے ترک مسلمانوں کو ذلیل کرنے کے لئے لگائے تھے، امیر شریعت اول نے تحریک خلافت اور تحریک موالات میں بھی حصہ لیا اور اپنے حلقہ کو اس پر آمادہ کیا کہ وہ ملک کی آزادی کے لئے کام کریں۔ کامریڈ تقی رحیم لکھتے ہیں: ''بہار میں عدم تعاون کا افتتاح بہاری مسلمانوں کے سب سے بڑے مذہبی رہنما مولانا شاہ بدرالدین قادری پھلواری شریف نے اپنے خطاب شمس العلماء کی واپسی سے کیا'' (جدوجہد آزادی میں بہار کے مسلمانوں کا حصہ ص ۱۸۹)

امیر شریعت ثانی مولانا محی الدین قادری اور مولانا سید شاہ قمرالدین رحمہما اللہ نے تحریک ترک موالات اور تحریک خلافت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، کامریڈ تقی رحیم لکھتے ہیں: ''امارت شرعیہ کے اثر میں آکر بہار کے مسلمان اپنے امیر کی ہدایت کے بموجب آزادی کی جدوجہد میں کانگریس کی مدد کرنے کو اپنا ضروری مذہبی فرض ماننے لگے تھے۔

امیر شریعت رابع حضرت مولانا سید شاہ منت اللہ رحمانیؒ (ولادت ۱۹۱۲، وفات ۱۹۹۱ء) شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی کے انتہائی معتمد اور چہیتے شاگرد تھے، جب حضرت مدنی جیل میں تھے تو آپ نے بھی آزادی کی لڑائی کو تیز کرنے کے لئے جیل کی صعوبتیں برداشت کیں، دوبار جیل گئے اور جدوجہد آزادی میں اپنا حصہ ادا کیا، مولانا منت اللہ رحمانیؒ نے جدوجہد آزادی میں جو عملی اقدامات کئے اس کی وجہ سے وہ میرٹھ، مظفرنگر، سہارن پور ضلع میں تحریک آزادی کے ذمہ دار (ڈکٹیٹر) بنائے گئے، آزادی کے لئے بڑے مصائب جھیلے۔ ۱۹۳۶ء میں مسلم انڈپینڈنٹ پارٹی کے ٹکٹ پر آپ کامیاب بھی ہوئے، لیکن ۱۹۴۰ء میں پارلیمانی سیاست سے آپ کنارہ کش ہوگئے، حافظ امتیاز رحمانی اپنے مضمون ''جنگ آزادی اور حضرت امیر شریعتؒ میں لکھتے ہیں: ''پارلیمانی سیاست سے علحدگی کا یہ مطلب نہیں کہ حضرت نے تحریک آزادی سے اپنے آپ کو الگ کرلیا تھا یا خانقاہ رحمانی کے مریدین، مخلصین اور متوسلین کو یہ ہدایت دی کہ وہ تحریک آزادی سے اپنے آپ کو الگ کرلیں، حضرت نے ملک وملت کے وسیع تر مفاد کے پیش نظر سرگرمی کے ساتھ جدوجہد جاری رکھی اور تحریک آزادی کی جدوجہد میں جو خفیہ سرکلر، پوسٹر اور پمفلٹ شائع ہوکر بہار کے بڑے حصے میں تقسیم ہوا کرتے تھے، ان کی طباعت کا سب سے بڑا مرکز خانقاہ رحمانی تھا (امیر شریعت حضرت مولانا منت اللہ رحمانی، مرتبہ مولانا عمید الزماں قاسمی ص ۴۷۹)

پانچویں امیر شریعت حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب (ولادت ۱۹۰۳، وفات ۱۹۹۸) بھی سچے محبّ وطن اور جدوجہد آزادی میں اکابر امارت کے شانہ بشانہ رہے، مولانا انیس الرحمٰن قاسمی سابق ناظم امارت شرعیہ لکھتے ہیں: ''آپ سچے محبّ وطن اور مجاہد آزادی بھی تھے، جنگ آزادی میں بے لوث حصہ لیا تھا، ڈاکٹر سید محمود، ڈاکٹر راجندر پرساد سابق صدر جمہوریہ کی قیادت میں چھپرہ شہر میں کام کیا، حق منزل جو اس زمانہ میں سیاسی سرگرمیوں کا مرکز تھا، وہاں قیام کرتے (ہمارے امیر ۲۵)

چھٹے امیر شریعت حضرت مولانا سید نظام الدین صاحبؒ (۱۹۲۷، وفات ۲۰۱۵ء) آزادی کی تحریک کے وقت بالکل جوان تھے اور دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ کے ذریعہ چلائی جارہی تحریک کے دست وبازو تھے۔ مولانا شاہ فیاض عالم ولی اللہی جدجہد آزادی میں اپنے اور مولانا سید نظام الدین کے رول کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''ہم دونوں دیہاتوں میں نکل جاتے اور لوگوں کو انگریزوں کے خلاف بھڑکاتے، راستہ میں کھانے کے لئے جھولے میں بھنے ہوئے چنے اور گڑ رکھ لیتے تھے، کھانا ملا تو کھالیا نہیں تو چنے اور گڑ کھا کر پانی پی لیا، (باتیں میر کارواں کی، از عارف اقبال ۱۶۶)

ان کے علاوہ قاضی حسین احمد صاحب جو امارت شرعیہ کے ایک زمانہ میں ناظم تھے، آزادی کے لئے ان کی محنت قابل رشک تھی، ترک موالات کے مسئلہ سے دوسرے قائدین کی طرح قاضی احمد حسین بھی متفق تھے، انہوں نے اس سلسلے میں گاندھی جی سے ملاقات کی، اور ملک کی آزادی میں روس اور افغانستان کے تعاون سے انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنے کی تجویز رکھی، گاندھی جی نے اس تجویز سے اتفاق نہیں کیا، ان کی سوچ تھی کہ دوسروں کے بل پر اگر ہم آزادی حاصل کریں گے تو برطانیہ سے نکل کر دوسرے معاون ملکوں کے رحم وکرم پر ہوجائیں گے، انہوں نے واضح لفظوں میں قاضی احمد حسین صاحب کو کہا کہ ''ہندوستان میں خود اتنی طاقت ہونی چاہئے کہ وہ بلا بیرونی مدد کے آزاد ہو اور تب وہ اپنی آزادی کی حفاظت کرسکے گا''۔ (بقیہ صفحہ: ۱۴/ پر)

نقیب کے خریداروں سے گذارش

اگر اوپر دائرہ میں سرخ نشان ہے، تو اس کا مطلب ہے کہ آپ کی خریداری کی مدت ختم ہوگئی ہے۔ براہ کرم فوراً آئندہ کے لیے سالانہ زرتعاون ارسال فرمائیں، اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں، موبائیل یا فون نمبر اور پتے کے ساتھ پن کوڈ بھی لکھیں۔ مندرجہ ذیل اکاؤنٹ نمبر پر ڈائرکٹ بھی سالانہ یا ششماہی زرتعاون اور بقایہ جات بھیج سکتے ہیں، رقم بھیج کر درج ذیل موبائل نمبر پر خبر کردیں۔

A/C Name: THE NAQUEEB, A/C No: 10331726168
Bank: SBI, Branch J.C. Road, Patna, IFSC Code: SBIN0001233
رابطہ اور واٹس اَپ نمبر Mobile: 9576507798

نقیب کے شائقین کے لئے خوشخبری ہے کہ آپ نقیب کے آفیشیل ویب سائٹ www.imaratshariah.com پر بھی لاگ ان کرکے نقیب سے استفادہ کرسکتے ہیں۔
(منیجر نقیب)